ماہنامہ

ترجمان القرآن

سنہ ۱۹۳۲ء

Feb 1991

جاری کردہ :

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

مکتبۂ قرآنیات

کی

بصیرت افروز مطبوعات

● لفظی اردو ترجمہ پارہ اوّل	محمد رفیق چودھری	-/۸ روپے
● لفظی اردو ترجمہ 〃 دوم	〃 〃 〃	-/۸ 〃
● بامحاورہ اردو ترجمہ 〃 اوّل	〃 〃 〃	-/۹ 〃
● بامحاورہ اردو ترجمہ 〃 دوم	〃 〃 〃	-/۹ 〃
● تفسیر سورۂ نور	مولانا ابوالکلام آزاد	-/۹ 〃
● قرآن سے انٹرویو	محمد رفیق چودھری	-/۱۸ 〃
● قرآنیات	〃 〃 〃	-/۵۴ 〃
● حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے	〃 〃 〃	-/۱۰ 〃
● خدا کی ہستی	مولانا ابوالکلام آزاد	-/۱۲ 〃
● آخرت کی زندگی	〃 〃 〃	-/۶ 〃
● حدرِ جسم	محمد رفیق چودھری	-/۳۶ 〃

ملنے کا پتہ :

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور

***

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ :

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۴ فروری ۱۹۹۱ء — رجب ۱۴۱۱ھ عدد ۶

فہرست مضامین

رابطہ و ترسیلِ زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۳۲۴۴۶۸ - ۶۸۶۳۶ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے زرِ سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خلیجی صورتِ حالات کے بالائے سطح نمایاں حقائق کو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اب چونکہ اس طوفانِ محشر خیز کے زیرِ سطح کے بھنور اور نہنگ واضح طور پر دکھائی دے رہے ہیں، اس لیے ان کو بھی نگاہوں کی زد میں رکھنا چاہیے۔

مگر اس سے پہلے آپ میری پیش بینی کا اندازہ اُس مضمون سے لگائیں جو عین امریکی حملہ کی ڈیڈ لائن کے روز لاہور کے روزنامہ پاکستان میں "خبردار امریکہ!" کے عنوان سے چھپا۔ اس کے دو تین اقتباس :-

——"امریکہ کے خداوندانِ سیاست کو آگے بڑھنے سے پہلے میں یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بڑائی اور قوت کی پتنگ جب اُڑتے اُڑتے کبر کی بلندیوں تک پہنچ جاتی ہے تو تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ نوامیسِ الٰہیہ کے تحت اس کی ڈور کٹ جاتی ہے۔"

——"امریکہ کے سامنے (روسی سپر پاور) ایک پہاڑ کا پہاڑ دیکھتے دیکھتے راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ اس واقعہ کو بچشمِ خود دیکھنے کے بعد امریکہ کو ایک نگاہ خود اپنے امکانی (بلکہ قریب آمدہ) مستقبل پر بھی ڈال لینی چاہیے۔ درختِ الحاد کا جو ٹہنا سوشلزم کے نام سے برتر سمجھا جاتا تھا وہ تو ٹوٹ گرا۔ اب دوسرا ٹہنا سرمایہ داری کا بھی جلد ٹوٹنے والا ہے، کیونکہ اب الحاد اور مادہ پرستی کے خلاف جو بیزاری اور انحراف (REVOLT) شروع ہوا وہ بقیہ درخت

پر بجلی بن کر گرنے والا ہے۔"

—— "اس تمہید کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اب جس خلیجی صورتِ حالات میں امریکہ گھرا ہوا ہے اس میں محتاط ترین رویہ رکھ کر بھی اگر امریکہ جنگ کا باعث بنا تو اس علاقے پر تو جو کچھ بیتے گی، وہ تو رہی الگ بات، لیکن عراق پر فتح پانے کے بعد بھی امریکہ کی عالمی حیثیت کا محل دھڑام سے گر جائے گا"......

"بہر حال امریکہ اگر چپ چاپ واپس جائے تو بھی موت، اور لڑائی لڑے تو بھی موت!"

—— "یہ ایک ڈرامہ ہے جس کا مقصد سعودی عرب کا بچاؤ یا کویت کی بحالی نہیں، بلکہ مقاصد دوسرے ہیں"...... "اس اقدام کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ اسرائیل کو مدد دی جائے"...... "پھر صدام پر حملہ کر کے اس کی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ اسرائیل کے لیے کوئی خطرہ عرصے تک نہ رہے"...... "ٹھیک ہے کہ صدام نے کویت کے خلاف جارحیت کر کے ایک ظلم کیا ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ازالہ ہو، مگر دوسری طرف صدام کے خاتمے کے نام پر عراق اور عرب کی قوت کا جو خاتمہ مطلوب ہے، اسے ہم ایک نیا اور بڑا ظلم سمجھتے ہیں"

(روزنامہ پاکستان لاہور- ۱۵ رجنوری ۱۹۹۱ء)

اگر بہ نگاہِ حقیقت دیکھا جائے تو بظاہر یہ مسلمانوں کے خلاف ۲۸ مغربی طاقتوں کی استعماری جنگ ہے۔ وہ ہم کو ایک بار پھر غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ کلچرل برتری اور ٹیکنالوجیکل ترقی کا زعم شامل ہے۔ اور اس کے پیچھے پرانی صلیبی ذہنیت بھی کام کر رہی ہے جو الحاد کی صلیب پر لٹک کر بھی مری نہیں، بلکہ جب مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام ہوتا ہے تو گرجوں کے موریچوں سے پادری بھی اپنی توپوں کے دہانے کھول دیتے ہیں اور متعصبانہ مسلم دشمنی کی ہیروئن فوجوں کے موریچوں تک پہنچاتے ہیں۔

یہ جنگ صلیبی جنگ بھی ہے اور اسے "صلیبی صہیونی" جنگ بھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں طاقتیں اس میں گھل مل گئی ہیں۔

اس صلیبی جنگ کا محاذ ایک طرف پچھلے ڈیڑھ ہزار سال تک پھیلا ہوا ہے اور دوسری طرف آنے والے زمانوں میں قیامت تک ـــ یا اس وقت تک کہ ان اژدہاؤں کے سر کچلنے کے لیے قدرت اپنی قوتوں کو مامور نہ کر دے۔

ایسے معرکے کے چیلنج کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے بعض مسلمان لیڈروں اور عوام کا ہجومی سیاست (MOB'S POLITICS) کے ہیجانی طریقوں کو اختیار کر کے شور شرابے میں مست ہو جانا کہ یہ ہماری اصل قوت ہے اور اس سے تاریخ کا رخ بدل سکتا ہے، بہت کمزور طرز عمل ہے۔ جتنا جلد ممکن ہو ہمیں اس لت سے چھٹکارا پا لینا چاہیے۔

ہمارا مداوا صرف جہاد ہے جو ایمان، تقویٰ، خودی، عشق، حکمت اور صبر کے عناصر سے مرکب ہوتا ہے۔ جہاد زور ایمان و عشق سے ہوتا ہے اور تقویٰ اور خودی اس کے ہتھیار ہوتے ہیں اور اس کا نقشہ جنگ صبر کے زیر زمین وار روم میں حکمت و تدبر سے بنایا جاتا ہے اور مرحلہ بہ مرحلہ اس میں ترمیم کی جاتی ہے۔ یہ کام ایسا نہیں کہ سڑکوں پر نعرہ بازی سے ہو جائے۔ اور جھاگ اڑاتے اور مکّہ لہرانے والے مقرّروں کی تقریروں سے مورچے فتح ہو جائیں۔

ہمارا لائحہ عمل یہ ہونا چاہیے:۔

ا ـــ چند ایک پر سکون سنجیدہ جلسے، منظم جلوس اور باوقار مظاہرے ملک اور دنیا کی تاریخ میں ریکارڈ ہو جانے چاہئیں کہ ہماری قوم کا دکھ درد کیا ہے۔

۲ ـــ ان جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں میں اپنے ہی قومی املاک کی توڑ پھوڑ اور دوسرے انسانوں کو دکھ دینے والی ہڑبونگ نہیں چاہیے۔

۳ ـــ اشد ضروری یہ ہے کہ ہر مسئلے اور قضیئے کو جذباتی رنگ دے کر جو لوگ اپنی حکومت

کے خلاف محاذ آرائی کرتے ہیں، وہ اسلام یا ملک کے حقیقی خادم نہیں ہوتے، بلکہ مفاد کا کھیل کھیلتے ہیں۔

۴۔ اس وقت صدام یا کویت یا سعودی عرب کو اصل موضوع بنا کر (اور کسی کی حمایت اور کسی کی مخالفت کر کے) خود اپنی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے بجائے، سارا زور اس پر صرف کیا جائے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی پہلے تو عراق کی زمین کے بخیے ادھیڑنے اور اس کی بے گناہ آبادی کو تباہ کرنے کا سلسلہ ختم کریں (کیونکہ اس تباہ کاری کا مقصد اسرائیل کو مضبوط کرنے کے سوا کچھ نہیں) اور بعد ازاں یہ وہ یہاں سے چپ چاپ رخصت ہو جائیں۔

۵۔ امریکہ اور اس کے اتحادی سرزمینِ عرب کو اپنے قدموں سے ناپاک نہ کریں جس کا حقیقی احترام ہمارے دلوں میں ان کے اُس نمائشی جذبے سے زیادہ ہے جو وہ ویٹیکن کے لیے رکھتے ہیں۔ نیز اس سرزمین کے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پورا ہونا چاہیے کہ یہود و نصاریٰ اس سے باہر رہیں۔

۶۔ کویت کو جارحیت کا نشانہ بنانے کے حادثے کو ہم قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ اس سے ہم ایسی اُصولی پوزیشن اختیار کر لیتے ہیں جو خطرناک ہے۔

۷۔ اسرائیلی حکومت کا وجود چونکہ برطانیہ کے اعلان بالفور کے نتیجے میں اس ظلم پر قائم ہے کہ عربوں کی سرزمین اس کا وطن قرار پائی ہے، اور جب تک ظلم کا یہ میخ اسرائیل عربوں کے سینے میں گڑا ہوا ہے اس وقت تک مال اور اسلحہ اور جانوں کی تباہی اور عالمی امن کے نقصان سے بچا نہیں جا سکتا ہے، لہٰذا اس ظلمِ عظیم کا ازالہ دو مرحلوں میں ہونا چاہیے۔

۸ اولاً یہ کہ بیت المقدس اور اس کے متعلقہ علاقے اور مصر، شام اور اردن کے وہ قطعات جو جنگی کارروائیوں میں اسرائیلیوں نے سلب کئے تھے وہ سب واپس کر دیے جائیں۔

ب۔ دوسرے مرحلے کے لیے ۵ تا ۱۰ سال کی ایسی مدت مقرر کی جا سکتی ہے جس میں فلسطین پر ناجائز طور پر قابض یہودی اپنے پیارے انکل امریکہ کی وسیع سرزمین پر چلے جائیں جہاں ابھی قوموں کی قوموں کے رہنے بسنے کی گنجائش موجود ہے۔

۸ — ان مطالبات کے ساتھ ہمیں یہ بھی طے کرنا چاہیے کہ اپنے انتہائی غریبانہ حالات کو سنوارنے اور سرحدوں سے جھانکنے والے دشمنوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہم اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ سڑکوں پر گزارنے کے بجائے، کارخانوں، دکانوں، تعلیم گاہوں اور دفتروں میں گزاریں۔

۹ — ہمیں اصولاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہجومی اور ہیجانی سیاست کی چاٹ ہمیں پہلے بھٹو صاحب نے اور پھر ان کی بیٹی نے لگائی۔ بڑی مشکل کے بعد ایک ایسی حکومت آئی ہے جو لوگوں کے جذبات کو اُچھال اُچھال کر ان کو نعروں میں سرمست رکھنے کے بجائے پُرسکون اور سنجیدہ و متوازن طریقوں سے کام کرنے والی ہے۔

اس مرحلے پر اس حکومت کے خلاف ہجومی سیاست (MOB'S POLITICS) کو استعمال کر کے اسے متزلزل کرنا ہمارے ہاں انتشار و عدمِ استحکام کو فروغ دے گا۔ اور باہر کھڑے اور اندر گھسے ہوئے دشمنوں کی زد میں ہوتے ہوئے یہ حالت ہمارے لیے مہلک ہے۔

ہمارے ہاں اگر سیاسی استحکام اور مالی مضبوطی ہو گی تو ہم اپنے لیے بھی مفید ہوں گے اور خلیجی ممالک کے لیے بھی اور پورے عالمِ اسلام کے لیے بھی۔ بصورتِ دیگر، ہم کسی عالمی مسئلے میں ٹانگ اڑا کر اپنے مسلمان بھائیوں یا انسانیت کا تو کیا بھلا کریں گے، خود اپنے ہی آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

پس مانیے یا نہ مانیے —— ان گزارشات پر غور ضرور کر لیجیے۔ مگر غور اس حالت میں کیجیے جب ہیجانی شورا شوری کا نشہ آپ پر مسلّط نہ ہو۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

مسلمان کا مسلک، طریق کار اور پالیسی

لفظ "مسلمان" اگر کوئی بے معنی لفظ ہے اور محض عَلَم کے طور پر انسانوں کے کسی گروہ کے لیے استعمال ہونے لگا ہے، تب تو مسلمانوں کو پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ اپنی زندگی کے لیے جو مقصد چاہیں قرار دے لیں اور جن طریقوں پر چاہیں کام کریں۔ لیکن اگر یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کو بطور مسلک و مشرب قبول کیا ہے تو یقیناً مسلمانوں کے لیے کوئی نظریہ، کوئی مقصد اور کوئی طریق کار اسلام کے نظریہ، مقصد اور طریق کار کے سوا نہیں ہو سکتا۔ غیر اسلامی نظریہ اور پالیسی اختیار کرنے کے لیے حالاتِ زمانہ اور مقتضیاتِ وقت کا بہانہ کوئی بہانہ نہیں ہے۔ مسلمان جہاں جس ماحول میں بھی ہوں گے، ان کو وقتی حوادث اور مقامی حالات و معاملات سے بہرحال سابقہ پیش ہی آئے گا۔ پھر وہ اسلام آخر کس کام کا اسلام ہے، جس کا اتباع صرف مخصوص حالات ہی میں کیا جائے اور جب حالات دگرگوں ہوں تو اُسے چھوڑ کر حسبِ سہولت کوئی دوسرا نظریہ اختیار کر لیا جائے؟ دراصل تمام مختلف حالات میں اسلام کے اساسی نظریہ اور بنیادی مقصد کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنا ہی مسلمان ہونا ہے۔ ورنہ اگر مسلمان ہر حادثہ اور ہر حال کو ایک جداگانہ نقطۂ نظر سے دیکھنے لگیں اور ہمیشہ موقع و محل دیکھ کر ایک نئی پالیسی وضع کر لیا کریں جس کو اسلام کے نظریہ و مقصد سے کوئی لگاؤ نہ ہو، تو ایسے مسلمان ہونے میں اور نامسلمان ہونے میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ ایک مسلک کی پیروی کے معنی ہی یہ ہیں کہ آپ جس حال میں بھی ہوں آپ کا

نقطۂ نظر اور طریقِ کار اُس مسلک کے مطابق ہو جس کے آپ پیرو ہیں - ایک مسلمان سچا مسلمان اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ زندگی کے تمام جزئی معاملات اور وقتی حوادث میں اسلامی نقطۂ نظر اور اسلامی طریقہ اختیار کرے - جو مسلمان کسی موقع و محل میں اسلامی پہلو چھوڑ کر غیر اسلامی پہلو اختیار کرتا ہے اور یہ عذر پیش کرتا ہے کہ اس موقع اور اس محل میں تو مجھے غیر اسلامی طریقہ ہی پر کام کر لینے دو، بعد میں جب حالات سازگار ہو جائیں گے تو مسلمان بن کر کام کرنے لگوں گا، وہ دراصل یہ ظاہر کرتا ہے کہ یا تو اسلام کو وہ بجائے خود کوئی ایسا ہمہ گیر نظامِ زندگی ہی نہیں سمجھتا جو زندگی کے ہر معاملہ اور زمانہ کی ہر گردش پر یکساں حاوی ہو سکتا ہو، یا پھر اس کا ذہن اسلام کے سانچے میں پوری طرح نہیں ڈھلا ہے جس کی وجہ سے اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کہ اسلام کے کلیات کو جزئی حوادث پر منطبق کر سکے اور یہ سمجھ سکے کہ مختلف احوال میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی پالیسی کیا ہونی چاہیے۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم، اشاعت سوم)

اسلام میں معذوروں اور مجبوروں کے حقوق

جناب ڈاکٹر احمد سجاد - پروفیسر رانچی یونیورسٹی

(۲)

انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ جاریہ کے نام پر معذوروں کی کفالت، بیکاروں کی مدد مسافروں کی سہولت اور مریضوں کے علاج کے لیے وقفِ عامہ کا رواج تھا۔ اس سلسلے میں سرکاری اور نجی دونوں طرح کے ادارے کام کرتے تھے۔ جس کے بچے کھچے بہت سے نمونے آج تک اسلامی دنیا اور ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ ابن الجوزی نے محمد بن حسین ابو شجاع کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے تمام غلّوں کا باقاعدہ عشر نکالتے تھے اور بعض اوقات چھ چھ لاکھ اشرفیاں خیرات و صدقات میں خرچ کر ڈالتے تھے۔ عبدالکریم مصری کے جذبۂ خدمتِ خلق کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی کسی ضرورت مند کو دس دس ہزار کی خطیر رقم دے دیتے تھے۔ اور ریگستانی علاقوں میں بھی کنواں تیار کروا دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار سخت بیماری سے اچھے ہوئے تو اُن کی صحت خوشی میں ان پر چاندی اور سونا نچھاور کیا گیا۔

ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی نے اپنے قیمتی مضمون میں اہلِ خیر حضرات کی تعمیر کردہ سرائے، مسافر خانوں، خانقاہوں، اسپتالوں، کتب خانوں، لنگر خانوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے، بعض غریبوں اور معذوروں کے لیے خصوصی مکانات تک بنوائے جاتے تھے۔ کہیں کہیں پلوں، سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کا کام بھی ہوتا۔ بعض اوقات لاوارث بچوں، یتیموں، نابینا، لولے، لنگڑے، معذور، اپاہج، لاچار، مجبور اور بے بس لوگوں کے قیام، طعام پرورش اور تعلیم و تربیت کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا جاتا۔ کچھ وقف ایسے بھی تھے جن سے بیمار

قیدیوں کی مخصوص دوا اور غذا کا بندوبست کیا جاتا۔ صلاح الدین ایوبی نے دمشق کے قلعہ کے دروازے پہ دو پرنالے بنائے تھے۔ جن سے ہفتہ میں دو بار ایک پرنالے سے دُودھ اور دوسرے سے شربت، غریب ماؤں اور بچوں کے لیے بہائے جاتے تھے۔ وہ پرنالے دمشق کے قلعہ میں آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعض اوقات سے اسپتالوں میں دیکھ ریکھ اور خدمت کے لیے اُجرت کے لیے ایسے آدمی بحال کر دیئے جاتے جو لاوارث اور غریب مریضوں کی خدمت اور ان کی دلجوئی کرتے تھے۔

علامہ شبلی نے مقریزی کے حوالہ سے حکومت بنی اُمیہ کے تیسرے حکمران ولید بن عبدالملک کے بارے میں لکھا ہے کہ اُسے رفاہ عامہ کے کاموں سے طبعی لگاؤ تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے عہد میں اُس نے ایک مہمان خانہ عام قائم کیا۔ اور مُلک بھر کے تمام اندھوں اور مفلوجوں کا سروے مکمل کرا کے ان سب کے وظیفے مقرر کر دیئے تاکہ وہ دردر کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں۔ اِسی سلسلہ میں اُس نے ایک عظیم الشان اسپتال کی بنیاد ڈالی جو ۸۸ھ میں بن کر تیار ہوا۔ جس میں بہت سے ڈاکٹر اور جراح بحال کیے گئے۔ (مقالاتِ شبلی۔ جلد ۶ ص ۱۷۸)

عہدِ عباسیہ میں مصر و شام کے گورنر احمد بن طولون نے ۲۶۱ھ میں ایک شاندار اسپتال بنوایا۔ جس کا سالانہ خرچ تین لاکھ روپے ایک وقف سے پورا کیا جاتا۔ اس اسپتال میں پاگلوں اور دوسرے امراض کے مریضوں کے لیے الگ الگ کمرے بنوائے گئے تھے۔ خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے سے جیل اور دیہاتیوں میں بھی ڈاکٹروں کا تقرر ہونے لگا تاکہ ان مقامات کے غرباء اور مریض علاج سے محروم نہ رہ جائیں۔ دمشق کے شفاخانہ نورالدین زنگی کے وقف نامہ میں سلطان نے واضح طور پر لکھوا دیا کہ:

"جو نایاب دوائیں یہاں کے سوا کہیں نہیں مِل سکتیں۔ ان کے استعمال میں غریب اور امیر سب یکساں ہیں۔"

قاہرہ کے شفاخانہ صلاح الدین کے بارے میں علامہ ابن جبیر لکھتے ہیں کہ وہاں عورتوں اور پاگلوں کے لیے الگ الگ وارڈ تھے۔ عورتوں کا علاج لیڈی ڈاکٹروں ہی کے

ذریعہ ہوتا تھا - اس اسپتال کو دیکھنے کے لیے سلطان بھی کبھی کبھی وہاں جاتا تھا - خاندان دیلمی کے مشہور بادشاہ عضد الدولہ نے بغداد میں " بیمارستان عضدی " کے نام سے ایک اسپتال بنوایا جس کے خرچ کو پورا کرنے کے لیے ساڑھے سات لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر وقف تھی - اس میں ۲۴ ڈاکٹر بحال تھے - ملک المنصور نے قاہرہ میں جو اسپتال بنوایا اس کے اخراجات کے لیے دس لاکھ روپے سالانہ وقف تھے - جہاں بعض دماغی امراض کے علاج میں موسیقی سے بھی مدد لی جاتی تھی - لطف یہ ہے کہ بعض غریب مریضوں کو اسپتال سے خارج کرتے وقت اتنے روپے دیئے جاتے تھے کہ گھر پہنچ کر وہ اپنی کمزوری رفع کرلیں - اور فوراً روزہ روٹی کی فکر میں اپنی صحت دوبارہ خراب نہ کرلیں -

اسپتالوں کی اس زمانہ میں کئی قسمیں تھیں - مثلاً سفری، مسجدی، فوجی وغیرہ سلجوقیوں کا فوجی اسپتال دوسو اونٹوں پر چلتا تھا -

جہانگیر نے ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوتے ہی جو بارہ احکام صادر کیے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ :

" در شہر ہائے کلاں دار الشفاءہا ساختہ اطبا بجہت معالجہ بیماراں تعین نمایند و آنچہ صرف و خرچ شدہ باشد از سرکار خالصہ می دادہ باشد "

خدمت خلق اور رفاہ عامہ کا جذبہ اس قدر رلیدہ اور پختہ ہو چکا تھا کہ بعض اوقات سے معذور انسانوں کے علاوہ مریض جانوروں کے علاج معالجہ اور پرورش و نگہداشت کا بھی بندوبست کیا گیا تھا - دمشق میں ایک وسیع سبزہ زار بوڑھے معذوروں اور مویشیوں کے لیے وقف کیا گیا تھا - یہاں اس قسم کے جانور رہتے تھے اور چرتے تھے - یہاں تک کہ وہ مرجاتے تھے -

غرض یہ کہ اسلام نے قرآن وحدیث کی بنیاد پر جو نظر ڈالی عملی اصول مقرر کیے، ان کی روشنی میں آغاز اسلام سے آج تک شاندار کارنامے انجام دیئے جارہے ہیں - ہندوستان میں دیوبند، ندوہ اور ہزاروں مدارس، یتیم خانے، اسپتال، مسافر خانے، سرائے اسکول اور کالج آج بھی اہل خیر کے تعاون اور اوقاف کی آمدنی سے چل رہے

ہیں ۔ ہمایوں کبیر مرحوم کے تخمینے کے مطابق صرف ہندوستان کے مسلم اوقاف آج بھی ڈھائی سو کروڑ سے زاید آمدنی کے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ہزاروں برس سے آج تک ان کے واقفوں نے اس گراں قدر جائیداد کو اسی لیے وقف کیا ہے کہ اس کی آمدنی سے خلق اللہ کی مدد اور خدمت کی جائے گی ۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اوقاف کی جائیدادیں بعض بے ایمان متولیوں اور حکومت کی غفلت سے بری طرح برباد ہو رہی ہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ "گردوارہ ایکٹ" کی طرح مسلم وقف کا نظم ونسق بھی چست کیا جائے تاکہ اسلام اور قرآن و حدیث کے منشا کے مطابق اس سے انسانیت کی خدمت کی جا سکے ۔ کیونکہ بقول شاعر ؎

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

حوالہ جات:

۱ ۔ مقالاتِ شبلی ــــ علامہ شبلی　　۲ ۔ خطباتِ جمعہ ــــ محمد عبدالحق
۳ ۔ تحریک اخوان المسلمین محمد شوقی ذکی ۔ مترجم: سید رضوان علی ندوی
۴ ۔ عشر و زکوٰۃ اور زکوٰۃ ۔ سید احمد عروج قادری ۔
۵ ۔ اسلام اور عدل اجتماعی ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۶ ۔ اسلام کا عدل اجتماعی ، سید قطب شہید ۔
۷ ۔ الاسلام ۔ مولانا وحید الدین خان ۔
۸ ۔ ترجمان دہلی ، ۱۵ ؍ جون ۷۲ء ۔
۹ ۔ اسلام اور عصر جدید ۔ اپریل ۱۹۷۱ء ۔

اسلامی معاشرہ میں ماں کا درجہ

محترمہ ثریا بتول علوی صاحبہ۔ منصورہ، لاہور

(۲)

مثل مشہور ہے کہ جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے وہی دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ عورت کو اللہ نے بہت طاقت دی ہے وہ چاہے تو معاشرے کو سنوار دے اور چاہے تو معاشرے کو بگاڑ دے۔ عورت کی ذرا سی غفلت اور بچوں سے لاپرواٸی نسلِ نَو کو برباد کر سکتی ہے۔ لہٰذا مسلمان عورت کو ہر وقت اولاد کے سلسلے میں محتاط رہنا چاہیے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ محتاج بیان نہیں کہ انہوں نے کس طرح بچپن میں ماں کی ہدایت کے مطابق ڈاکوؤں کے سردار کے سامنے سچ بولا، تو ڈاکوؤں کا سردار اتنا شرمندہ ہوا کہ یہ ننھا سا بچہ اپنی ماں کا اتنا فرمانبردار ہے اور میں اتنا بڑا ہو کر اپنے مالک کا نافرمان ہوں۔ اُسے اتنی ندامت ہوئی کہ وہ اور اس کا پورا قافلہ سب نے چوری ڈاکے سے توبہ کی اور مخلص مومن بنے۔ گویا ان سب کے راسخ العقیدہ مسلمان بننے کا سارا محرّک حضرت عبدالقادر جیلانی کی والدہ محترمہ کی پُرخلوص نصیحت اور اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی بچے کی تربیت تھی۔

ماں معاشرے کو کس طرح بگاڑتی ہے۔ جب وہ اپنے بچوں سے غفلت برتے ان کی غلطیوں پر ٹوکنے کے بجائے نظر انداز کرے یا ان کی غلط کاموں پر حوصلہ افزائی کرے تو وہ گویا پورے معاشرے کو برباد کر دیتی ہے۔ ایک ڈاکو جب پھانسی کے لیے تختۂ دار پر لٹکایا جانے لگا تو اس سے آخری خواہش پوچھی گئی۔ اس نے کہا میری ماں کو بُلایا

جائے۔ جب ماں کو بلایا گیا تو بیٹے نے ماں سے کہا اپنا کان میرے قریب کرو۔ ماں نے سمجھا کہ شاید کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ ماں جب اس کے قریب ہوئی تو بیٹے نے کان پر زور سے کاٹا۔ اس سے پوچھا گیا کہ پھانسی کے پھندے پر تمہیں ماں کو اتنی تکلیف پہنچانے کا خیال آخر کس طرح آیا۔ بولا آج میں جس جرم کی سزا بھگت رہا ہوں میری ماں اس میں برابر کی مجرم ہے۔ ابتداء میں میں چھوٹی چھوٹی چوریاں کرکے گھر میں چیزیں لاتا تھا، تو وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ اس کی اسی حوصلہ افزائی نے آج مجھے اس بھیانک انجام تک پہنچایا، آخر وہ سزا میں سے اپنا حصہ کیوں نہ وصول کرے؟

اسی طرح بے پروا اور اپنے فرائض سے غافل ماں روزِ قیامت بھی اپنی غفلت کی پوری پوری سزا بھگتے گی۔ اور اولاد خود اس کے خلاف خدا کی عدالت میں مقدمہ دائرہ کرکے اسے سزا دلوائے گی۔

حضورؐ عورتوں سے کیا بیعت لیتے تھے؟ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

"اے پیغمبرؐ جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس بیعت کرنے کے لیے آئیں تو وہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے پاس سے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی اور کسی نیک کام میں (جس کا حکم آپؐ دیں) آپؐ کی حکم عدولی نہیں کریں گی۔ تو پھر ان شرطوں پر تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کرو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ آپؐ ان سے یہ بیعت بھی لیا کرتے تھے کہ وہ مردوں پہ بین نہیں کریں گی اور اپنے کپڑے نہیں پھاڑیں گی اور گریبان چاک نہیں کریں گی۔ ایک مسلمان عورت کا شیوہ حکمِ الٰہی سن کر یہ ہونا چاہیے کہ اسے بسر و چشم قبول کرے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

"مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ
أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ
اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ٥

"کسی مومن مرد کو اور کسی مومنہ عورت کو یہ سزاوار نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی حکم دے دیں تو اس بات میں ان کا اپنا اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

عورتوں کو مزید کتاب و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔ اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کا بناؤ سنگار نہ کرتی پھرو۔ بچوں کی تربیت اتنا اہم اور نازک مسئلہ ہے کہ اس کے لیے عورت کو ہر وقت گھر میں موجود رہنا ضروری ہے۔ اسی لیے عورت کو باہر کے تمام کاموں سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ نماز باجماعت، جمعہ کی ادائیگی، جہاد، نماز جنازہ وغیرہ یہ باہر کے کام مرد انجام دے اور عورت گھر کے محاذ پہ ڈٹی رہے۔ اس کو جہاد کا ثواب برابر ملتا رہے گا اور ثواب میں وہ کسی طرح مرد سے پیچھے نہ رہے گی۔

قرنِ اوّل کی خواتین کا مثالی کردار قرنِ اوّل کی مسلمان عورتوں نے معاشرے میں بھرپور رول ادا کیا۔ دین کو قائم کرنے میں انہوں نے گراں بہا خدمات انجام دیں۔ جہاں انہوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت میں بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا، وہاں اپنی اولادوں کے اوپر انہوں نے بڑی محنت کی اور ان کی تربیت بہترین انداز میں کر کے عالمِ اسلام کو جاں نثار، جری و بے باک مجاہد عطا کیے۔ جو ایک طرف اللہ اور رسولؐ کی محبت سے سرشار تھے تو دوسری طرف جذبۂ شہادت سے معمور تھے۔ ساتھ ساتھ

وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دُعا گو رہتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اور رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کی چاروں بیٹیاں سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادیاں سب نیکی و تقویٰ میں ایک دوسری سے بڑھ کر تھیں۔ سیّدہ خدیجہ نے اسلام کے ساتھ محبّت ان کی رگ و پے میں جاری و ساری کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اکثر آبدیدہ رہتے تھے۔ سیّدہ زینبؓ، سیّدہ رقیہؓ، سیّدہ کلثومؓ تینوں صاحبزادیاں نیک نفس اور اپنے شوہروں کی وفادار تھیں اور وہ اسلام کی خاطر بہت ستائی گئیں۔ حضرت زینبؓ کے شوہر غیر مُسلم تھے مگر بہت محبّت کرنے والے اس کے باوجود سیّدہ زینب اُن کو مکّہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرکے آگئیں۔ اسلام کی خاطر بہت تکلیف پائی مگر قدم پیچھے نہ ہٹایا۔

اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا سیّدۃ نساء الجنّۃ تو بے شمار خوبیوں اور اوصافِ حمیدہ سے متصف تھیں۔ خود وہ صبر و رضا کا پیکر تھیں۔ محنت سے گھر کا کام کاج کرتیں۔ چکّی پیس پیس کر ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ لبوں پر تلاوتِ قرآن اور ہاتھوں سے گھر کا کام۔ اکثر اوقات چکّی پیستے وقت کسی بچے کو گود میں لیے ہوتیں۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کھانے کے لیے کچھ مانگا تو عرض کیا دو دنوں سے گھر میں کچھ نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا پہلے کیوں نہ بتایا۔ عرض کیا سرتاج! میرے والد سرکارِ دوعالم کی مجھے یہی نصیحت تھی کہ میں کبھی سوال کرکے آپ کو شرمندہ نہ کروں۔

اسی سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ نے اپنے بچوں حضرات حسنین (حسن و حسینؓ) کی تربیّت جس انداز میں کی اور حضرت حسینؓ نے جس طرح تاریخِ اسلام میں کربلا کے مقام پر شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرکے کلمۂ حق سر بلند کیا۔ یہ سب سیّدہ فاطمۃ الزہرا کی تربیّت کا اثر تھا۔ سچ کہا علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے:-

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول — مادراں را اُسوۂ کامل بتول
آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گرداں و لب قرآن سرا

گہ یہ ہائے او ز بالیں بے نیازہ　　　گوہر افشاندے بدامانِ نمازہ

یہ حضرت اُمِ سُلیمؓ ہیں، نیکی و پارسائی میں یکتا و بے مثال۔ ان کے شوہر فوت ہوگئے تو چھوٹا سا بیٹا (حضرت انس) موجود تھا، ان کو حضرت انس کی تربیت کی اتنی فکر تھی کہ عہد کیا جب تک وہ جوان نہ ہو جائیں، میں آئندہ شادی نہیں کروں گی۔ اسی اثنا میں سرکار دو عالمؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ میرے بیٹے کو اپنی صحبت اور خدمت کا شرف بخشیں۔ آپؐ نے ہاں کر دی تو انہیں خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ حضرت انسؓ بڑے ہو کر فرمایا کرتے تھے۔ اللہ میری ماں کو جزائے خیر دے انہوں نے مجھے خوب پال کر آپؐ کی خدمت اور صحبت میں دے دیا۔ اور حق بھی یہی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی خدمت گذاری سے بڑھ کر کون سا شرف ہو سکتا ہے؟

یہ ایک انصاری صحابیہ اُمِ عمارہؓ تھیں۔ انہوں نے جنگِ اُحد میں مردوں کی سی ثابت قدمی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا۔ نبی کریمؐ کی مدافعت میں اس جانبازی سے لڑیں کہ خود سرورِ دو عالمؐ نے فرمایا۔ "دائیں بائیں جس طرف بھی میں نے رُخ کیا اُمِ عمارہؓ کو اپنی مدافعت میں لڑتے پایا"۔ اس عالم میں ان کے بیٹے عبداللہ بن زیدؓ زخمی ہو گئے تو ان کو مرہم پٹی کی اور بجائے اس کے کہ لختِ جگر کو آرام کرنے اور سستانے کا مشورہ دیتیں، حکم دیا۔ "بیٹے اٹھو اور تلوار لے کر اس مشرک قوم پر ٹوٹ پڑو"۔ حضرت اُمِ عمارہؓ کی اس پُرجوش تقریر نے نہ صرف ان کے بیٹے عبداللہ بن زید بلکہ اور بھی بہت سوں کو اللہ کی راہ میں لڑنا اور اپنی ہر متاعِ حیات کا لٹانا آسان بنا دیا۔

حضرت خنساءؓ جو قبل از اسلام اپنے جوانمرگ بھائی کی وفات پر مارے صدمہ کے دیوانی ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کے لیے بے حد پُرسوز اور درد بھرے مرثیے لکھے جو عربی ادب میں شاہکار سمجھے جاتے ہیں۔ یہی شاعرہ حضرت خنساءؓ جب مسلمان ہوئیں تو اسلام کی تعلیم نے ان کے اندر اتنا انقلاب برپا کیا کہ جنگِ قادسیہ میں اپنے چاروں جگر گوشوں کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ ان چاروں کو حملہ سے قبل رات کو

جمع کیا اور کہا "اے بچو! تم نے برضا و رغبت ایمان قبول کیا، کسی دباؤ کے بغیر ہجرت کی ــــ تمہاری ماں ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے۔ تم نجیب الطرفین ہو، لہٰذا شرفاء جیسے اعلیٰ و ارفع کارنامے انجام دو، تمہیں معلوم ہے کہ خدا نے کفّار سے جنگ کے عوض کس قدر ثواب تیار کر رکھا ہے۔ خوب سمجھ لو اِس فنا ہونے والی دُنیا سے دار البقاء بہتر ہے..... لہٰذا اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں نکل جاؤ اور جب گھمسان کا رن پڑے تو اس کی بھٹی میں بلا خوف و خطر کود پڑو، جس وقت دشمن کا لشکر پورے جوش و جذبہ سے لڑائی میں مصروف ہو تو تم اس کے سردار کو اپنی تلواروں کا نشانہ بناؤ، اور شہادت سے سرفراز ہو جاؤ" ماں کی پُر عزیمت تقریر سُن کر چاروں لڑکے رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں سر بکف نکلے اور ماں کی ہدایت کے مطابق چاروں شہادت سے سُرخرو ہوئے تو خنساءؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

جس زمانہ میں حجّاج نے حضرت عبد اللہؓ بن زبیر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان کے تمام ساتھی آہستہ آہستہ ان کا ساتھ چھوڑ کر حجّاج سے جا ملے۔ حتیٰ کہ ان کے اپنے دو بچے حمزہ اور خبیب بھی حجّاج بن یوسف کی پناہ میں چلے گئے۔ عبد اللہ بن زبیر نے اس وقت اپنی والدہ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بے بسی کا رونا رویا کہ اب میرے بیٹوں نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ صرف گِنے چُنے لوگ میرے ساتھ رہ گئے ہیں۔ اب موت یقینی ہے۔ لیکن اب بھی اگر میں حجّاج کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں تو مجھے دُنیا کی ہر نعمت مل سکتی ہے۔ لہٰذا میں آپ کے پاس مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اس موقعہ پر سو سالہ بوڑھی والدہ حضرت اسماء نے جو حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں، جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، بولیں:

بیٹا! تم اپنا معاملہ بہتر جانتے ہو۔ اگر تم واقعتاً حق پر ہو اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہو تو صبر سے کام لو، تمہارے کتنے ساتھیوں نے صبر سے لڑتے لڑتے جان دے دی ہے۔ اب تم اپنی گردن کو کھلونا بنا کر بنی اُمیّہ کے لونڈوں کے حوالے نہ کرو کہ وہ اس سے کھیلتے رہیں۔ لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے یہ سارا کھیل دُنیا کے لیے

کھیلا ہے تو پھر تم دُنیا کے بدترین انسان ہو کہ خود بھی ہلاک ہوئے اور اللہ کے بندوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا - اگر تم حق پر ہو تو اس کے لیے جان دینا بہت اچھا ہے - جب اس زندگی کو ختم ہونا ہی ہے تو کیوں نہ یہ اللہ کی راہ میں ختم ہو - دین کو کمزور کرنے سے تمہیں دوام تو نصیب ہونے سے رہا ۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیر بولے ! امّاں جان مجھے اندیشہ ہے کہ اہلِ شام مجھے قتل کر کے طرح طرح کا عذاب دیں گے تو والدہ بولیں بیٹا ! " بکری کو ذبح کرنے کے بعد اُس کی کھال اُتارنے اور بوٹیاں کرنے سے اُس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی ۔"

اس پر بیٹا فرطِ محبّت سے بوڑھی والدہ سے لپٹ گیا - حضرت اسماء اس وقت بینائی سے محروم ہو چکی تھیں - بیٹے کے لمس سے محسوس ہوا کہ اس نے زرہ پہنی ہوئی ہے - تو بولیں بیٹا ! جنہیں شہادت کی آرزو ہوتی ہے وہ زرہ نہیں پہنا کرتے ۔"

الغرض بہادر ماں کا بہادر بیٹا زرہ اُتار کر ماں سے رخصت ہوا اور دیوانہ وار لڑتا ہوا شہادت سے سُرخرو ہو گیا - (باقی)

مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی

جلیل القدر محدث اور فقیہ

شیخ نذیر حسین - مدیر اُردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ہندوستانی علماء نے ہر دور میں علوم اسلامیہ کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں تفسیر، فقہ بالخصوص علمِ حدیث میں ان کے کارنامے لازوال ہیں - سب سے پہلے امام رضی الدین صغانی رح لاہوری (المتوفی ۶۵۰ھ) نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا انتخاب مشارق الانوار کے نام سے کیا، جس کی متعدد علماء نے شرحیں لکھی ہیں - علامہ محمد طاہر رح پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) کی مجمع البحار، قرآن مجید اور صحاح ستّہ کے مشکل الفاظ کی عدیم النظیر شرح ہے - شیخ علی متقی رح (م ۹۷۵ھ) کی کنز العمال صحیح احادیث کا مستند اور نہایت جامع ذخیرہ ہے - دسویں صدی ہجری میں شیخ عبد الحق رح محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کی شرح عربی میں بنام لمعات اور فارسی میں اشعۃ اللمعات لکھیں جن کا شمار آج مشکوٰۃ کی بہترین شرحوں میں ہوتا ہے شیخ عبد الحق رح کے صاحبزادے مولانا نور الحق (ف ۱۰۷۳ھ) نے صحیح بخاری کی فارسی میں شرح تیسیر القاری کے نام سے لکھی -

بارھویں صدی ہجری میں علومِ اسلامیہ کی امامت حضرت شاہ ولی اللہ رح پر ختم ہوئی ہے - انہوں نے علمِ حدیث کی سب سے قدیم کتاب مؤطا امام مالک رح کی دو شرحیں عربی و فارسی میں المسوّٰی اور المصفّٰی کے نام سے لکھیں - قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اسرار شریعت اور حکمت و سیاستِ اسلامیہ پر ایک بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ

کے نام سے لکھی، جس نے اسلامیانِ ہندوستان کا سرِ افتخار تمام عالمِ اسلام میں بلند کر دیا۔ ان کے اخلاف اور شاگردوں کے شاگردوں نے اِس برِ صغیر میں علومِ اسلامیہ کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، ان کے بیان کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ نواب سیّد صدیق حسن خان (المتوفی ۱۸۹۲ء) نے اپنے خرچ سے بخاری شریف کی عدیم النظیر شرح فتح الباری مصر سے چھپوا کر علمِ حدیث کی عظیم الشان خدمت کی۔ ان کی علمی سرپرستی سے بھوپال، بغداد اور قاہرہ کا ہمسر بن گیا تھا۔

مذکورہ بالا علمی مساعی انفرادی، لیکن ہر طرح سے قابلِ تعریف و تحسین ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد نئے بدلے ہوئے حالات کے تحت مولانا محمد قاسم (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے دارالعلوم دیوبند اور سہارن پور کے بعض اکابر نے مدرسہ مظاہر العلوم قائم کر کے علومِ اسلامیہ کی باضابطہ، منظم اور اجتماعی خدمت انجام دی ہے۔ مولانا محمد انور شاہ (دیوبند) اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے درسِ حدیث کی بادشاہت ترکستان سے لے کر سری لنکا اور انڈونیشیا سے لے کر سواحلِ افریقہ تک تھی۔ ان کے تلامذہ در تلامذہ نے ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کی شمع روشن رکھی ہے۔ علمائے اہلِ حدیث میں علّامہ شمس الحق ڈیانوی کی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد اور مولانا عبدالرحمن مبارک پوری کی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی نے عرب ممالک کے اہلِ علم سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ چونکہ مدارسِ عربیہ میں ذریعہ تعلیم اُردو ہے۔ اس لیے بقول ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم یہ مدارس اُردو زبان کی نشر و اشاعت کا بھی اہم ذریعہ ہیں اور جب تک یہ مدارس قائم ہیں، بھارت میں اُردو زبان مٹ نہیں سکتی۔ مزید براں یہ مدارس ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان بھی ہیں۔

سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی ایک سنہری کڑی مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی تھے، جو میرے مضمون کا عنوان ہیں۔ وہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں قصبہ دیوبند میں عثمانی شیوخ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا اشرف علیؒ ان کے خالو تھے۔ مولانا ظفر احمد نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند کے بعض اساتذہ سے حاصل کی۔

عربی کی اعلیٰ درسی کتابیں، نیز صحاح ستہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں رہ کر پڑھیں۔ علمِ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ شارح سنن ابی داؤد سے کی اور اٹھارہ برس کی عمر میں درسیات سے فارغ ہو گئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں پڑھاتے رہے۔ سات برس کے بعد مدرسہ امداد العلوم، تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) میں چلے گئے اور حضرت مولانا اشرف علیؒ کی زیرِ ہدایت کتبِ حدیث تفسیر و فقہ کا درس دیتے رہے۔ قیامِ تھانہ بھون کا یادگار کارنامہ اعلاء السنن کی تالیف ہے۔ اس کے علاوہ وہ اطراف و اکنافِ عالم سے آنے والے فتاویٰ کا جواب بھی دیتے رہے، جو بعد ازاں امداد الفتاویٰ کے نام سے سات جلدوں میں شائع ہوئے۔

ایک عرصے کے بعد مولانا ظفر احمد کی خدمات ڈھاکہ یونیورسٹی نے حاصل کر لیں، جہاں وہ علومِ اسلامیہ کے صدر شعبہ رہے۔ بعد ازاں وہ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے صدر مدرس رہے۔ قیامِ ڈھاکہ کا یادگار واقعہ مولانا ظفر احمد کی مسلم لیگ میں شمولیت ہے۔ خواجہ ناظم الدین کا خاندان ان کا بہت معتقد تھا۔ مولانا نے مشرقی پاکستان کے قصبات و دیہات کا دورہ کر کے مسلم لیگ کو مقبولِ عوام بنایا۔ سلہٹ (آسام) کے استصواب میں مسلم لیگ کی کامیابی زیادہ تر مولانا ظفر احمد کی شب و روز مساعی کی مرہونِ منت ہے۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر ڈھاکہ میں علمِ آزادی انہوں نے لہرایا۔

قیامِ پاکستان کے کچھ عرصے بعد وہ مغربی پاکستان چلے آئے اور دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار (متصل حیدر آباد، سندھ) میں کتبِ حدیث کا درس دیتے رہے اور فتاویٰ کے جواب بھی لکھتے رہے۔ اسی زمانہ میں محدث گرامی شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے ٹنڈو اللہ یار پہنچ کر مولانا ظفر احمد سے سندِ حدیث اور اجازتِ حدیث حاصل کی۔ کبر سنی اور بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے وہ کراچی میں مقیم ہو گئے، جہاں انہوں نے ۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو انتقال کیا اور پاپوش نگر کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی باکمال محدث اور وسیع النظر فقیہہ تھے۔ اصولِ حدیث اور

اُصولِ فقہ میں انہیں خاص مہارت تھی۔ حضرت تھانویؒ کی طویل صحبت اور رفاقت نے انہیں علمِ تصوّف کے نظری اور عملی پہلوؤں سے بھی آشنا کر دیا تھا، اس لیے وہ معتدل مزاج، وسیع القلب اور وسیع النظر عالم بن گئے تھے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ مرحوم سے ان کے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں ایک دوسرے کے پایہ شناس تھے، بلکہ بعض اوقات مولانا مودودی مرحوم علمی مشکلات میں مولانا ظفر احمد سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ ایک زمانے میں جب بعض مولویوں نے جماعت کے خلاف تکفیری مہم شروع کر دی تو مولانا ظفر احمد نے ان مولویوں کی فتویٰ بازی پر بڑی حیرت اور ناراضی کا اظہار کیا۔ مولانا ظفر احمد کی تصانیف زیادہ تر عربی اور کم اُردو میں ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

اعلاء السنن (عربی) | بعض حضرات ائمہ احناف پر مخالفتِ حدیث کا اعتراض کیا کرتے ہیں اور یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں۔ یہ الزام بلکہ اتہام صحیح نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تو حدیثِ ضعیف اور حدیثِ مرسل بھی قیاس سے مقدم ہے۔ ان اعتراضات کے پیشِ نظر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کو حنفیہ کے دلائل حدیثیہ جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ عظیم الشان علمی کام ان کی نگرانی میں مولانا ظفر احمد نے بیس سال کی محنت اور دیدہ ریزی کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ وہ سب سے پہلے مختلف فقہی ابواب کے تحت حنفیہ کی تائید میں وارد جملہ احادیثِ احکام کو جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان احادیث پر فقیہانہ اور محدثانہ اُصول سے کلام کرتے ہیں۔ ضمناً وہ آثارِ صحابہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

اعلاء السنن کی تالیف میں فاضل مؤلف نے شروحِ حدیث، اُصولِ حدیث اور فقہ اور اُصولِ فقہ کے بھاری بھرکم دفاتر اور کتبِ رجال و محدثین اور جرح و تعدیل کی ضخیم کتابوں کو کھنگال ڈالا ہے۔ اِس طرح یہ کتاب حدیث اور فقہ کے بیش قیمت مباحث کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔ کتاب کی تکمیل پر حضرت مولانا تھانویؒ کو بڑی مسرت ہوئی تھی اور انہوں نے اعلاء السنن کو خانقاہ امدادیہ کے علمی مفاخر میں شمار کیا تھا۔ تقسیمِ ہند سے قبل

اس کتاب کی آٹھ جلدیں شائع ہوئی تھیں۔ اب یہ کتاب نیرہ جلدوں میں عمدہ ٹائپ پر کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے مجموعی صفحات کی تعداد پانچ ہزار صفحات کے لگ بھگ ہے۔

کتاب کا مقدمہ اصولِ حدیث سے متعلق ہے، جسے مشہور شامی محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے دوبارہ نظرثانی اور مفید حواشی کے ساتھ قواعد فی علم الحدیث کے نام سے خوب صورت ٹائپ میں بیروت سے شائع کیا۔

۲- احکام القرآن (عربی) | امام جصاص رازی حنفی کی مشہور کتاب احکام القرآن کی طرز پر یہ کتاب دو جلدوں میں کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

۳- رحمۃ القدوس ترجمہ بہجۃ النفوس | حافظ ابومحمد عبد اللہ بن ابی جمرہ اندلسی (م ۶۹۵ھ) نے مختصر البخاری کی شرح بہجۃ النفوس کے نام سے لکھی تھی، جس کا حوالہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں بھی دیتے ہیں۔ اس میں صحیح بخاری کی تین سو احادیث کی مکمل اور مستند شرح ہے، جس سے مسائل فقہ اور تصوف و سلوک کا استنباط ہوتا ہے۔ اس شرح کی پہلی ایک سو احادیث کا ترجمہ رحمۃ القدوس کے نام سے حضرت تھانوی کے حکم سے مولانا ظفر احمد نے کیا تھا۔

۴- قرأت فاتحہ خلفِ امام | انہوں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے پر احناف کے نقطہ نظر سے بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے رسائل مختلف مسائل پر لکھے ہیں۔

سطور مندرجہ بالا میں ہندوستانی محدثین، بالخصوص مولانا ظفر احمد کی خدمات علم حدیث کا مختصر اور موجز سا تذکرہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں شیخ محمد حیات سندھی اور شیخ محمد عابد سندھی کے صحاح ستہ پر حواشی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان اکابر نے حرمین میں قیام کرکے برس ہا برس تک کتب حدیث کا درس دیا ہے اور ایک عالم کو اپنے علمی فیوض سے مستفید کیا ہے۔ غدر دہلی کے بعد شاہ عبدالغنی مجددی (استاد گرامی مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی) نے ہندوستان سے ہجرت فرما کر

پہلے مکہ معظمہ اور بعد ازاں مدینہ منورہ میں مسندِ درس بچھائی - ان سے کتانی خاندان کے سربراہ ابو جعفر الکتانی الکبیر نے حدیث کی سند لی اور ان کی مساعی سے مراکش بلکہ شمالی افریقہ میں علمِ حدیث کا رواج ہوا - تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں ہمارے ہندوستانی محدثین نے نہ تنہا علمِ حدیث کی جیسی خدمت کی ہے، اس کی نظیر پیش کرنے سے مصر اور شام عاجز ہیں -

یہ امر واقعہ ہے کہ صحیح بخاری اور چند کتب حدیث مصر سے پہلے یہاں چھپ کر تمام ممالکِ اسلامیہ میں وقفِ عام ہوئی ہیں - مصر کے مشہور عالم اور المنار کے فاضل مدیر سید محمد رشید رضا مرحوم نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں صحیح لکھا ہے :

"اگر ہمارے برادران علمائے ہندوستان نے اس زمانے (بارھویں، تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری) میں علومِ حدیث کی طرف توجہ نہ کی ہوتی تو اس علم کے زوال اور فنا کا فیصلہ ہو چکا ہوتا"

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں

عقائد و اخلاق کا مقام

تحریر: ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی - ترجمہ: عذرا نسیم فاروقی

اِسلام ایک آفاقی دین ہے۔ اس کی وہ تعلیمات جو عقائد اور اخلاقیات کے اساسی اُصولوں پر مشتمل ہیں سابقہ ادیان کا بھی بنیادی حصہ رہی ہیں۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ علیہم السلام اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے دَور میں انھی بنیادی عقائد کی تعلیم دی تھی جن کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دَورِ رسالت میں دی۔

دینِ اِسلام کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے ہوا تھا اور یہ ہدایت ایک تواتر اور تسلسل کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے جن بنیادی باتوں کی دعوت دی وہ یہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی عبادات کا مستحق ہے، اُس کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء، اس کی نازل کی ہوئی تمام کتابیں، اُس کے فرشتے، حیات بعد الموت، یوم جزا اور تقدیر برحق ہیں۔ یہ تمام عقائد انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کی بنیاد و اساس ہیں۔ چونکہ وحی کا ماخذ و منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لیے دین کے اُصولوں اور بنیادی عقاید میں اختلاف یا تضاد ممکن نہیں۔ اختلاف صرف اس وقت پیدا ہوا، جب لوگوں نے وحی اور اسلام کی تعلیمات کو فراموش کر کے اپنی طرف سے دین میں ترمیم و اضافہ

کرنا شروع کر دیا ۔

دیکھیے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۵ :

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔

رسول اس ہدایت پر ایمان لائے جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوئی اور اہلِ ایمان بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ۔ ان کا اقرار ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کے رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے ۔

ایک دوسری آیت میں اسی بات کو اس طرح واضح کیا گیا ہے :

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

(البقرۃ ـ ۱۳۶)

(اے مسلمانو) کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اُس ہدایت پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کی گئی، اور اُس پر بھی جو حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب علیہم السّلام اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئی، اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السّلام پر اُن کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں ۔

یہ اور دیگر متعدد آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نئے عقائد پیش نہیں کیے، بلکہ انہی عقاید کی تصدیق کی، جن کی تعلیم قدیم آسمانی کتابوں نے دی تھی اور جن کی تعلیم سابقہ انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو دی تھی، لیکن امتدادِ زمانہ اور عوام الناس

کی جہالت کی وجہ سے اسلام کے بنیادی تعلیمات خصوصاً عقاید میں بہت کچھ آمیزش اور تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

قرآنِ حکیم نے سابقہ انبیاء علیہم السّلام پر نازل شدہ کتابوں کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کی ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ - ۴۸)

(اے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کی جو حق لے کر آئی ہے، اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ و نگہبان ہے۔

اور دوسری آیت اس مضمون کو اس طرح بیان کر رہی ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (الانعام - ۹۲)

اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا ہے، بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے، ان (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔

یہ تصدیق و نگہبانی ان بنیادی عقاید کی بیان کی جا رہی ہے جن کی دعوت و تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السّلام کی بعثت ہوتی رہی۔ اور جو تمام انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات کا اصل جوہر و اساس ہیں — سورۃ الانعام میں اٹھارہ جلیل القدر انبیاء علیہم السّلام کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب، حکم اور نبوت سے نوازا تھا، ان کا ذکر کر کے قرآن حکیم اس ہدایت کی پیروی کا حکم دیتا ہے جس کی تعلیم ان انبیاء علیہم السّلام نے دی تھی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط

(الانعام - ۹۰)

یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی، تو انہی کی ہدایت کی

آپ بھی پیروی کیجیے۔

یقیناً ان انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اقوام کی رشد و ہدایت کے لیے انہی عقاید کی تعلیم دی تھی جن کی تعلیم نبی آخر الزماں نے اپنے دور میں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسخ یا ترمیم شدہ عقاید کو اصل اور صحیح صورت میں پیش کیا۔ عقاید کی طرح اخلاقیات کے اُصول بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں یکساں رہے ہیں۔ حق و صداقت، امانت عدل و انصاف، صبر و استقامت وغیرہ وہ اخلاقی قدریں ہیں جن کی تعلیم و تلقین تمام انبیاء علیہم السلام نے کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے سب سے زیادہ زور عقاید پر دیا۔ اور لوگوں کو ان اخلاقی اقدار کا سبق دیا جن کی بُنیاد اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت، تقویٰ اور عقیدۂ آخرت پر ہے۔ دین کی پوری عمارت اور اسلامی معاشرہ کا سارا ڈھانچہ انہی عقاید اور اخلاقی اقدار پر ہوتا ہے۔ مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں تمام تر زور عقاید و اخلاق اور عمل پر رہا ہے۔ گو بنیادی عقاید سات عناصر کا مجموعہ ہیں۔ لیکن عقیدۂ توحید سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انسان کی ساری اعتقادی اور عملی زندگی کا سنگِ بنیاد اور منبعِ قوت یہی عقیدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے عقیدۂ توحید یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسی کے حکم کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا، اور شرک یعنی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حقوق میں شریک ٹھہرانے سے روکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے دُنیا و آخرت میں بھیانک انجام سے آگاہ فرمایا اور انسان کی بالکل صحیح سمت میں رہنمائی فرمائی۔ یہی سمت قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم کہلاتی ہے۔

اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا کام مکی دور میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ مُسلم معاشرہ کی تعمیر و تشکیل عقاید و اخلاق کی بنیاد پر ہوئی۔ عقیدۂ توحید کو خاص طور پر اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔ انسان میں مقامِ عبدیت کا احساس و شعور بیدار کیا گیا، مخلوق اور خالق کے

درمیان سارے واسطے مٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عقائد اور اخلاقی اقدار کی تعلیم لوگوں کو دی اُس کا مشاہدہ خود اپنی عملی زندگی میں کرایا۔ آپؐ کا عمل ہی تعلیم و تربیّت کا بہترین ذریعہ تھا۔ مکارمِ اخلاق کی تکمیل آپؐ کے اُسوۂ حسنہ میں ہوئی اور قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر آپؐ کی سنّت میں پوری ہوئی۔

قرآن حکیم نے عقیدۂ توحید کو بہت دلکش اور جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ سورۂ الانعام کی ابتدائی آیات میں غور کیجیے۔ اِن آیات میں زمین و آسمان کی تخلیق، روشنی و تاریکی، انسان کی اپنی پیدائش اور پھر ایک مقررہ وقت تک زندگی کے مختلف مراحل سے گذر کر موت کی آغوش میں جانا، ان سب باتوں سے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیّت اور وحدانیّت پر استدلال کیا گیا ہے۔ سورۂ النمل میں عقیدۂ توحید اور معاد پر استدلال اس قدر قوی اور بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ قاری کی توجہ اگر مفہوم کی طرف ہو تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت، اس کی حاکمیتِ مطلقہ کا یقین پوری طرح دل و دماغ پر چھا جاتا ہے:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ؕ

(النمل - ۶۰ تا ۶۶)

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس پانی سے ہم نے سرسبز و شاداب باغ لگائے جن کے درخت اُگانا تمہارے بس کی بات نہ تھی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) لیکن یہ لوگ راہ حق سے ہٹ گئے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اُس میں دریاؤں کو رواں دواں کیا۔ اور اس کے لیے پہاڑوں کو بنایا اور دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ (جو ان کاموں میں شریک ہو) (ہرگز نہیں) لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ آخر وہ کون ہے جو مجبور و بے قرار کی دُعا سُنتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے، اور کون ہے جو اُس کی تکلیف و دُکھ کو دُور کرتا ہے۔ اور تمہیں زمین کی خلافت دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اِلٰہ ہے؟ (جو ان کاموں میں اس کا شریک ہو) (بالکل نہیں) لیکن تم لوگ کم ہی غور و فکر کرتے ہو۔ بھلا وہ کون ہے جو بر و بحر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ اور جو ہواؤں کو اپنے بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے؟ (یقیناً کوئی نہیں) جو لوگ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ بھلا (بتاؤ تو) وہ کون ہے جو خلوق کا آغاز کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے؟ (ہرگز نہیں) (ان سے) کہہ دیجیے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم

سچے ہو۔ آپ انہیں بتا دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب (زندہ کر کے) اُٹھائے جائیں گے۔ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم اُلجھا ہوا ہے۔ یہ لوگ (آخرت کے بارے میں) شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ الانعام کی آیات گیارہ سے اٹھارہ تک عقیدہ آخرت اور یوم جزا کو نہایت پُر تاثیر انداز میں بیان کر رہی ہیں۔ یوم حساب کو جب انسانوں کے تمام اعمال کا حساب و کتاب ہوگا، ہر فرد اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اپنے نامہ اعمال کے ساتھ پیش ہوگا، اچھے اعمال و کردار کے مالک انعام و اکرام پائیں گے، اور بدعمل و بدکردار ذلت و رسوائی اور سزا پائیں گے۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے، اس کی رحمت اور عدل پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ آیاتِ قرآنی اہل ایمان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت بھی پیدا کرتی ہیں اور خوف بھی، اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی نعمتیں اللہ کی محبت اور اُمید و رجاء کو پیدا کرتی ہیں جب کہ قہار و جبار ایسی صفات خوفِ الٰہی پیدا کرتی ہیں۔ یہ محبت و اُمید اور خوف کی مِلی جُلی کیفیت مومن کے اعمال کو کنٹرول کرتی ہیں۔ یہ کیفیت جب مستحکم ہو جاتی ہے تو پھر انسان کے قول و عمل میں تضاد نہیں رہتا، بلکہ پوری مطابقت ہوتی ہے، عقیدہ اور عمل میں مکمل ہم آہنگی ہوتی ہے اور ایسے ہی اہلِ ایمان و تقویٰ خلافت کی ذمہ داریاں پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ ادا کرنے کے لیے مستعد ہوتے ہیں۔ (باقی)

امراۃ العزیز

جناب ڈاکٹر عبد الحفیظ صدیقی

دس بارہ برس پیچھے کی بات ہے کہ ہمارے محلّے کی مسجد میں ایک صاحب بلامعاوضہ جمعہ کے وعظ میں سورۂ یوسف کی تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ امراۃ العزیز کا کردار بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ جو قصّہ مشہور ہوگیا ہے کہ زلیخا دوبارہ جوان ہوگئی پھر حضرت یوسف سے شادی ہوئی اور اس کے بطن سے منسّی و فراہیم پیدا ہوئے۔ یہ سب من گھڑت کہانی ہے۔ یہ تو نبی کی شان کے خلاف ہے کہ ایسی عورت اس کی بیوی ہو۔ کہنے کو تو وہ صاحب یہ باتیں کہہ گئے لیکن پھر جو حشر بپا ہوا اس کا سُنیے:

"بڑے آئے مفت میں جمعہ پڑھانے، بنے پھرتے ہیں مفسّرِ قرآن، یہ تو زوجۂ یوسف کی توہین ہے۔ 'حضرت زلیخا علیہا السّلام' کے حضور بے ادبی کی گئی۔ وہ تو اُمّ المومنین ہیں، یہ منہ پھٹ تو ماں کا بھی گستاخ ہے۔"

گوجرانوالہ سے مفتی بُلائے گئے۔ انہوں نے بھرے مجمع میں فتاوے برسائے اور ان صاحب کو "کافر" قرار دے کر مسجد سے گھر پہنچا دیا گیا۔ مفتی صاحب نے جگہ خالی دیکھ کر خطابت خود سنبھال لی۔

یہ افسوس ناک واقعہ دیکھ کر ہمیں تحقیق کی جستجو ہوئی۔ ذخیرۂ تفاسیر سے رجوع کیا، لیکن یوسف اور زلیخا کے زمانۂ عام و خاص تعلقات کے بارے میں کوئی مستند بات ہاتھ نہ آئی۔ کوئی حدیث نظر سے نہ گذری جس سے یہ گتھی سلجھتی۔ تجسّس جاری تھا کہ تفہیم القرآن میں سورۂ یوسف کی تفسیر پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ سورۂ یوسف، آیت ۳۰، میں لفظ "عزیز"

کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن حاشیہ ۶۲ میں لکھتے ہیں:

"یہاں لفظ "عزیز"، حضرت یوسف کے لیے جو استعمال ہوا ہے، صرف اس بنا پر مفسرین نے قیاس کر لیا کہ حضرت یوسف اسی منصب پر مامور ہوئے تھے، جس پر اس سے پہلے زلیخا کا شوہر مامور تھا۔ پھر اس پر مزید قیاسات کی عمارت کھڑی کر لی گئی کہ سابق عزیز مر گیا تھا، حضرت یوسفؑ اس کی جگہ مقرر کیے گئے، زلیخا از سرِ نو معجزے کے ذریعے سے جوان ہو گئی تھی اور شاہِ مصر نے اس سے حضرت یوسفؑ کا نکاح کر دیا تھا۔ حد یہ ہے کہ شبِ عروسی میں حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے درمیان جو باتیں ہوئیں، وہ تک کسی ذریعہ سے ہمارے مفسرین کو پہنچ گئیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں سراسر وہم ہیں۔ لفظ "عزیز" کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا بلکہ محض "صاحبِ اقتدار" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً مصر میں بڑے لوگوں کے لیے اُس طرح کا کوئی لفظ اصطلاحاً رائج تھا جیسے ہمارے ملک میں لفظ "سرکار" بولا جاتا ہے۔ اسی کا ترجمہ قرآن میں "عزیز" کیا گیا ہے۔ رہا زلیخا سے حضرت یوسفؑ کا نکاح، تو اس افسانے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ بائیبل اور تلمود میں فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ سے اُن کے نکاح کی روایت بیان کی گئی ہے اور زلیخا کے شوہر کا نام فوطیفار تھا۔ یہ چیزیں اسرائیلی روایات سے نقل در نقل ہوتی ہوئی مفسرین تک پہنچیں اور جیسا کہ زبانی افواہوں کا قاعدہ ہے۔ فوطیفرع بآسانی فوطیفار بن گیا، بیٹی کی جگہ بیوی کو مل گئی۔ اور بیوی لامحالہ زلیخا ہی تھی۔ لہٰذا اس سے حضرت یوسفؑ کا نکاح کرنے کے لیے فوطیفار کو مار دیا گیا اور اس "یوسف زلیخا" کی تصنیف مکمل ہو گئی۔"

ہم نے سید مودودی کے بتائے ہوئے اصل ماخذ یعنی بائیبل دیکھی — تو عین الیقین ہو گیا کہ ایک "علمی غلط فہمی" کے کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر بنا دیا ہے۔

" And Pharaoh called Joseph's name Zaphnath-paarch: and he gave him to wife Asenath the daughter of potipherah priest of o . And Joseph went out over all the land of Egypt."

(پیدائش : باب ۴۱ ، آیت ۴۵)

ترجمہ: اور فرعون نے یوسف کا نام صنفنات فنیح رکھا اور اُس نے اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کو اُس سے بیاہ دیا اور یوسف ملکِ مصر میں دورہ کرنے لگا۔

اس حوالے سے ظاہر ہے کہ یوسفؑ کا نکاح فوطی فرع کی بیٹی آسناتھ سے ہوا نہ کہ فوطیفارہ کی بیٹی زلیخا سے۔

آیئے آگے دیکھتے ہیں کہ یوسفؑ کے جن بیٹوں کے نام فسی اور فراہیم لیے جاتے ہیں۔ اُن کی والدہ کا نام زلیخا ہے یا آسناتھ۔

51- "And unto Joseph were born two sons before the years of Famine came which Asenath the daughter of Potipherah priest of On bare unto him."

ترجمہ: اور کال سے پہلے اون کے پُجاری فوطی فرع کی بیٹی آسناتھ کے یوسف کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

52- "And Joseph called the name of the firstborn Manasseh: for God, said he, hath made me forget all my toil and all my father's house. "

ترجمہ: "اور یوسف نے پہلوٹھے کا نام منسّی یہ کہہ کر رکھا کہ خدا نے میری اور میرے باپ کی گھر کی سب مشقت مجھ سے بھلا دی۔"

53- And the name of the second called he Ephraim: for God hath caused me to be fruitful in the land of my affliction."

ترجمہ: اور دوسرے کا نام افراہیم یہ کہہ کر رکھا کہ خدا نے مجھے میری مصیبت کے مُلک میں پھلدار کیا۔

(پیدائش باب ۴۱ ، آیات ۵۱ تا ۵۳)

مفسرین کی "علمی غلط فہمی" کا مطالعہ مکمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص کے نام کا پتہ چلایا جائے جس نے یوسفؑ کو خریدا تھا۔ بائیبل کے باب پیدائش (۱:۳۹) میں درج ہے۔

And Joseph was brought down to Egypt; and potiphar, an officer of Pharaoh, captain of the guard, an Egypian, bought him of the hands of the Ishmeelites which had brought him down thither."

ترجمہ: اور یوسفؑ کو مصر میں لائے اور فوطی فار مصری نے جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوہ داروں کا سردار تھا، اُس کو اسمٰعیلیوں کے ہاتھ سے جو اُسے وہاں لے گئے تھے، خرید لیا۔

اِس حوالے سے واضح ہے کہ حضرت یوسفؑ کا خریدار Potiphar (فوطیفار) تھا، نا کہ Potipherah (فوطی فرع)۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ فوطی فار کی بیوی کا نام کیا ہے۔ بائیبل میں تو اس کا نام درج نہیں۔ سید مودودیؒ اس کے نام کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا Zelicha لکھا ہے، اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور ہوا۔" (تفہیم القرآن جلد دوم ص ۳۹۰)

اِن واقعاتی حقائق کے علاوہ مولانا مودودیؒ نے لوگوں کی توجہ قرآن کے اُس آفاقی و دوامی ضابطے کی طرف دلائی جسے اُنھوں نے طاقِ نسیاں کیا ہوا ہے اور جس سے رُوگردانی کی وجہ سے ہمارے عوام و خواص زلیخا کی "اندھی عقیدت" میں مبتلا ہیں۔

"مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسفؑ کا نکاح ہوا۔ اُس کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کبھی ایسی عورت سے نکاح کرے، جس کی بدچلنی کا اس کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔ قرآن مجید میں یہ قاعدۂ کلیہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ۔ بُری عورتیں بُرے مردوں کے لیے ہیں اور بُرے مرد بُری عورتوں کے لیے، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے"۔

(تفہیم القرآن جلد دوم، ص ۳۹۰-۳۹۱)

سید مودودیؒ کے اِن محکم تحقیقی حقائق سے پورا اطمینان ہوگیا کہ "یوسف زلیخا" ایک خیالی داستان ہے لیکن خلش یہ رہی کہ کیا مفسرین کی پوری جماعت میں سے مولانا مودودیؒ اکیلے ہی اس حقیقت کو پا سکے؟ یہ چبھن ہماری جستجو کے لیے مہمیز ثابت ہوئی۔ سیرت کی مشہور کتاب "رحمۃ للعالمین" کے مصنف علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی "الجمال والکمال" نظر سے گزری تو یہ مشکل بھی حل ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ تحقیق کرنے والے ایک ہی منزل پہ پہنچا کرتے ہیں کیونکہ حقیقت بھی وہی ایک ہی ہوتی ہے۔ ایک حقیقت کے دو متلاشی سید مودودیؒ اور علامہ منصور پوری کی تحقیق ایک ہے ۔

الجمال والکمال ص ۱۵۹ تا ۱۶۰ ملاحظہ ہوں:

"..... لوگوں نے بنا لیا ہے کہ پھر یہ عورت از سر نو جوان بنائی گئی تھی پھر یوسف صدیق کے نکاح میں آگئی تھی۔ مگر اس امر کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت اسلامی یا اسرائیلی موجود نہیں۔

فخر رازیؒ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہی امراۃ العزیز حضرت یوسفؑ کے دونوں فرزندوں منسی و افراہیم کی والدہ ہے۔ لیکن توراۃ سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔

کتاب پیدائش ۴۱ باب ۵۰ تا ۵۲ درس میں تو یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے شہر اُون کے کاہن مسمی فوطی فرع کی دختر مسماۃ آس ناتھ سے نکاح کیا تھا اور مذکورہ بالا ہر دو پسر اُسی کے بطن سے ہیں۔ ہمارے علمائے بزرگ

کو غالباً اس لیے مغالطہ ہوا کہ العزیز کا نام "فوطی فار" تھا اور اس کاہن کا نام "فوطی فرع" تھا۔ یہ دونوں نام بہت زیادہ مشتبہ الصوت ہیں۔

لیکن جب مؤرخ غور کرے گا تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی شخصیت میں بہت بڑا فرق ہے۔

فوطی فرع کاہن تھا یعنی امام مذہب۔ اُس کی دختر کنواری تھی۔ اُس کا نام "آس ناتھ" تھا۔ فوطی فار فرعون کے جلوہ داروں کا سردار تھا۔ اُس کی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو سکتی ہے۔ اُس کا نام لوگوں نے زلیخا یا راعیل بنایا ہے۔ پھر یہ دونوں عورتیں ایک کیونکر ہو سکتی ہیں۔

استدلالِ بالا کے بعد جو تاریخی ہے اور بائبل کی تصدیق سے مضبوط ہے۔ ہم یہ بھی لکھ دینا چاہتے ہیں کہ "الطیبات للطیبین اور الخبیثٰت للخبیثین" کا اُصول ایسا زبردست ہے جو ناممکن ٹھہراتا ہے کہ کسی نبی یا رسول کے پہلو میں ایسی عورت پائی جائے جو حیا باختہ ہو۔

امراۃ لوط اور امراۃ نوح بھی ہم کو یاد ہیں۔ ان دونوں کی خیانت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے میکے والوں کو اور اپنی قوم کو اپنے اپنے شوہر کے خلاف مدد دی تھی۔ لیکن ان دونوں عورتوں کی عصمت کے خلاف تو کسی روایت میں ایک حرف بھی موجود نہیں۔"

اِس تحقیق کو عام لوگ قبول کرنے سے ہچکچائیں گے۔ کیوں کہ اکثر علمائے کرام اپنی کتبِ تفاسیر میں وہ باتیں بلا تحقیق لکھ گئے ہیں، جن کے تانے بانے سے "یوسف زلیخا" لکھی جا چکی ہے اور آخر اس گئے گذرے دَور میں بھی علمائے دین کو وارثانِ نبی ہی سمجھا جاتا ہے۔ اُن کا ایک تقدس عوام میں قائم ہے۔ ان کی بات پتھر پر لکیر مانی جاتی ہے۔ اب یہ ہمارے دینی اکابرین کا فرضِ اوّلین ہے کہ ایسی "لکیر" نہ کھینچا کریں جو حقیقت کو کاٹنے والی ہو، جو اصل بات کو چھپانے والی ہو۔ یہاں یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے کہ عوام، علماء کی اور باتوں کو کیوں نہیں مانتے۔ بس یہ "یوسف زلیخا"، "عذرا و عزیز"

اور بلقیس و سلیمان" کی سی باتیں ہی کیوں مانتے ہیں؟

عرض ہے کہ عام لوگوں کا مزاج جنسیاتی بے راہ روی SEXUAL PER- -VENTION اور شہوت انگیز ماحول کی وجہ سے "ہیر رانجھا"، "سسی پنوں" اور "مرزا صاحباں" سننے کا ہو گیا ہے۔ وہ ایسی باتیں سننے سے عاری ہیں جو عشق و محبت کی چاشنی سے خالی ہوں۔ "یوسف زلیخا" کے ذریعے سے تو ان کے ہاتھ ایک دلیل آ گئی ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو نبی کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی بجائے نبی کو اپنی خواہشات کے مطابق نیچے لے آتے ہیں۔

اللہ اکبر — بعض تخلیقی پہلو اور اس کے تقاضے

جناب ڈاکٹر منصور علی صاحب

ابتدائیہ رفائل (REFAEL) اٹلی کا ایک مشہور و معروف مصور گزرا ہے، اس کی معرکۃ الآرا پینٹنگز میں وہ پینٹنگ بھی شامل ہے جس میں اس نے یونان کے دو مایۂ ناز فلسفیوں افلاطون اور ارسطو کو کائنات میں جھانکتے ہوئے دکھایا ہے۔ اس کے ذریعہ مصور یہ تأثر دینا چاہتا ہے کہ ازل سے تمام مفکرین کائنات کے متعلق غور و خوض کرتے رہے ہیں۔ یہاں یقیناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کائنات کے حوالے سے کن کن پہلوؤں پر سوچتے رہے ہیں۔

اُن لوگوں کی سوانح عمریوں کے مطالعے سے جنہوں نے تاریخ کے اوراق پر اپنے اپنے نقشِ پا چھوڑے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی فکر کا محور ہمیشہ سے چند بنیادی سوالات ہی رہے ہیں مثلاً میری حقیقت کیا ہے؟ میں کس منصوبے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ یہ کائنات کس لیے بنائی گئی ہے؟ اس کائنات کی وسعت کیا ہے؟ یہ کائنات کب بنی اور کب ختم ہو سکتی ہے؟ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات۔ بظاہر یہ سوالات بہت معمولی سے نظر آتے ہیں لیکن ٹھنڈے دل و دماغ سے جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ دولت جس کی تلاش اس وقت کے ہر انسان کو ہے، اُس کا انحصار بہت حد تک اُنہی جوابات اور ان کے تقاضوں کو سمجھ لینے میں ہے۔

اِن سوالات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کریں کہ بیسویں صدی کا معروف ماہرِ نفسیات ڈی ینگے (DE YOUNGE) جب اسّی سال کا ہوگیا تو اپنے آپ سے یہ سوال کرتا ہے کہ میں کون ہوں اور کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ اسی طرح جرمنی کا مشہور سائنسدان سومرفلڈ (SOMMER FELD) اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہی بنیادی سوال کرتا ہوا پایا گیا اور غضب یہ ہے کہ ان سوالات کے صحیح جوابات تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔

یہی سوالات ایک اور زاویے سے اہمیت اختیار کرجاتے ہیں کیونکہ خوشی کا حصول مقصد سے وابستہ ہے۔ لہٰذا جب تک مقصد واضح نہ ہو اس وقت تک خوشی کا حاصل ہوجانا آسان نہیں۔ انسانوں اور جنوں کی زندگی کا مقصد ”عبادت“ بتایا گیا ہے جس سے دو اہم سوالات کے جوابات سامنے آجاتے ہیں۔ انسان کی حقیقت کا تعین کر دیا گیا کہ وہ ”عبد“ ہے، لہٰذا اس کی زندگی کا مقصد معبود کی ”عبادت“ ہونا چاہیے۔ اس تصورِ عبدیت میں کامل سپردگی ضروری ہے۔ خرابیاں اُس وقت سر اُٹھاتی ہیں جب کامل سپردگی کی جگہ تحفظات اور مصلحتیں سامنے آتی ہیں۔

اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب مسئلہ اس قدر آسان ہے تو پھر لوگ غلطی کا شکار کیوں ہوجاتے ہیں۔ بات بہت ہی آسان ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو عبد یا غلام مان کر دراصل اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ میں اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہوتا ہوں اور جس کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں اُس کو فی الحقیقت صرف اپنے ہی سے نہیں، بلکہ سب سے بڑا تصور کرتا ہوں۔ اس حقیقت کو قبول کرنا اپنی ذات کی نفی ہے اور اس کے لیے لوگ کم ہی تیار ہوتے ہیں۔

اپنی ذات کی نفی اور دوسری ذات کو بڑا ماننا گو کہ آسان عمل نہیں ہے لیکن اس عمل کے سارے مراحل بآسانی طے پاجاتے ہیں۔ جب دوسری ذات کی عظمت اور بڑائی کا صحیح ادراک اور معرفت حاصل ہوجائے اور اس کام میں آفاق و انفس پر غور و خوض بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں

کائنات کے متعلق غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

اَللّٰہُ اَکبر۔ بعض تخلیقی دلائل :۔

کائناتی پہلو یہ تو سبھی مانتے آئے ہیں (علمی ترقی اور تحقیق کے ساتھ ساتھ ماننے کا عمل آسان سے آسان تر ہوتا جائے گا) کہ اس کائنات کا خالق بہت بڑا ہے جو چیز سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ آخر کتنا بڑا ہے تو آیئے ہم اس سوال کو موجودہ دور کے علم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

اِس کائنات کے بارے میں ماہرینِ علومِ فلکیات کا کہنا ہے کہ یہ ایک گیند کی مانند ہے اور اس گیند کا قطر $۱٫۵ \times ۱۰^{23}$ کلومیٹر کے برابر ہے یعنی

۱۵۰،۰۰۰،۰۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰ کلومیٹر ہے۔

جس میں کم و بیش دس ارب کہکشائیں ہیں اور بالعموم ایک کہکشاں میں اربوں ستارے اور سیارے ہیں۔ کہکشاں کی جسامت اور بڑے پن کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں روشنی کو ایک لاکھ سال لگتے ہیں جب کہ روشنی ایک سال میں ساٹھ کھرب میل سفر طے کرتی ہے۔

ربِ کائنات کی عظمت کے تصور کی ایک جھلک پانے کے لیے ذرا یہ تصور کیجیے کہ اس کہکشاں کا رقبہ جس کا حصہ ہمارا نظامِ شمسی ہے اس کاغذ کے صفحہ کے برابر ہے تو اس کاغذ پر کوئی بھی نقطہ (۰) ہمارے نظامِ شمسی (سورج نو سیارے اور اس کے جملہ چاند یا سیٹیلائیٹس) کے کل مجموعے کا رقبہ ظاہر کرے گا۔

یہ تو ہے خالقِ کائنات کی عظمت کا ایک پہلو، اب ذرا حضرتِ انسان کی سوچ اور رفعت کے متعلق غور کریں۔ وہ انسان جو اپنی دماغی صلاحیتوں کی بدولت چاند کو مسخر کر چکا ہے، مریخ، زہرہ، عطارد اور دوسرے سیاروں پر کمند ڈال رہا ہے۔ انسان ہی جیسی چیز بنانے کی کوشش میں "روبٹ" (ROBOT) بنا کر ہزاروں کی تعداد میں انہیں کارخانوں میں استعمال کر رہا ہے اور یہ دعویٰ کر بیٹھا ہے کہ ۲۰۱۵ عیسوی میں مخصوص صلاحیتوں کے متحمل انسان کسی بھی تعداد میں پیدا کیے

جا سکیں گے۔ اپنی تمام فکری صلاحیتوں کے باوجود کس قدر محدود اور لاچار ہے اس کا اندازہ اس بات سے فرمائیں کہ دنیا میں اس وقت تقریباً پانچ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں، ان میں سے کسی زبان میں بھی کوئی ایک لفظ ایسا نہیں ہے جو 10^{23} کے عدد کو ظاہر کر سکے۔ ہندی کے علم ہندسہ میں مہا سنکھ ایک لفظ ملتا ہے جو 10^{15} ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان اپنی تمام فکری رفعتوں کے باوجود اللہ کی تخلیقی عظمتوں اور وسعتوں کا ادراک نہیں کر سکا ہے اور نہ ہی آئندہ صحیح معنوں میں کر سکے گا۔ دوسرے معنوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان بہت چھوٹا ہے اور اللہ بہت بڑا۔

نباتاتی پہلو نباتات انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے ان پر تحقیق کی جا رہی ہے۔ ایک سائنس دان نے سیب پر عجیب و غریب قسم کی تحقیق کی۔ ایک علاقے میں اس نے سیب کے کچھ پودے لگائے اور ان تمام پودوں کی اس طرح دیکھ بھال کی کہ جتنی کھاد ایک پودے کو دی اتنی ہی دوسرے پودے کو اور اسی طرح جتنا پانی ایک پودے کو دیا اتنا ہی دوسرے پودے کو دیا۔ جب پودے بارآور ہوئے تو ہر پودے پر نشان لگا کر اس کے تمام پھل اور پتے مختلف ٹوکروں میں جمع کیے گئے۔ پھر ہر ہر پتا اور پھل دقتِ احتیاط سے وزن کیا گیا اور جب تمام وزنوں کا آپس میں موازنہ کیا گیا تو ہر پتا اور ہر پھل وزن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ۔

حیوانی پہلو زیبرا (ZEBRA) جنگلی گدھا جس کی کھال لکیردار ہوتی ہے بچوں کی نگاہ کا اکثر مرکز بن جاتا ہے اور افریقہ میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ ایک سائنس دان زیبرا کی جلد کی لکیروں کا ایک عرصہ تک مائکروسکوپ کے ذریعہ معائنہ کرتا رہا، جس کے نتیجہ میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہر زیبرا کی جلد کی لکیر کے تفصیلی نقش و نگار (PATLERN STRUCTURE) کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ کی قدرتِ تخلیق کی ایک اور منہ بولتی دلیل۔

انسانی پہلو قرآن کا یہ کہنا "اور تمہارے اندر (نشانیاں) ہیں"۔ انسان کے اندر اَن گنت نشانیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس جس پہلو سے دیکھیں اور جس جس حصّہ کو دیکھیں، اپنے طور پہ ہر ایک نشانی نہیں، بلکہ نشانیوں کا ایک انبار لگتا چلا جائے گا۔ انسان اللہ کی تخلیق کا ایک شاہکار ہے۔ چار چیزوں کی قسم کھا کر اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے اور ایک نظم کے تحت انسان پیدا ہوتا ہے۔ بظاہر ایک ہی ضابطہ کے تحت پیدا ہونے والا انسان ایک دوسرے سے بہت حد تک مماثلت رکھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اس مماثلت کی حقیقت کیا ہے اِسے درج ذیل دو مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اِس وقت دنیا میں پانچ ارب ستائیس کروڑ انسان بستے ہیں اور ہر ایک انسان عام طور پہ دو انگوٹھوں سے نوازا گیا ہے اور دُنیا کے تمام ملکوں میں ہاتھ کے انگوٹھوں کے نشانات کو شناخت کے طور پہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ہر انسان کے انگوٹھوں کے نشانات کی تفاصیل میں بیّن فرق ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مختلف انسانوں کے نشاناتِ انگوٹھا میں فرق ہے۔ بلکہ ایک ہی انسان کے دونوں انگوٹھوں کے نشانات میں بھی فرق موجود ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ اس وقت دس ارب اٹھاون کروڑ مختلف نشاناتِ انگوٹھا پائے جاتے ہیں۔

عام طور پہ تو یہی ہوتا ہے کہ ایک کارخانہ سے ایک ہی قسم کا مال نکلتا ہے۔ ذرا اختلاف بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں اس کی قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس اُصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ کارخانے لگائے ہوتے ہیں جہاں اس کے لیے تمام چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ اس طرح اس وقت تک کے انسانوں کے لیے تقریباً دس ارب اٹھاون کروڑ مختلف کارخانے ہاتھوں کے انگوٹھوں کے نشانات کی خاطر معرضِ وجود میں آ چکے ہیں۔ جسم کے ایک ادنیٰ سے حصّہ کے لیے تو اتنا بڑا انتظام ہے تو مکمل انسان کے لیے کیا کچھ ہو گا اس کا تصوّر بھی حیران و مبہوت کر دینے کے

لیے کافی ہے۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

کہا جاتا ہے کہ نظامِ شمسی کا سورج تقریباً چار ارب سال کے بعد ٹھنڈا ہو جائے گا ظاہر ہے کہ اس عدد کی تخریج میں بہت سارے مفروضے کام کر رہے ہیں جن کا سو فیصد درست ہونا صحیح نہیں ہوگا گویا کہ اس سے پہلے تک زمین کو سورج کی گرمی میسر آتی رہے گی اور زندگی کے آثار اس زمین پہ پائے جائیں گے۔ اس رُو سے زمین پر رہنے والے تمام انسانوں کی ضرورت اسی زمین سے پوری ہوتی ہے (ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ صورت برقرار نہ رہے) تو عقل کا یہ تقاضا ہے کہ ہمیں یہاں جو چیزیں میسر ہیں انہیں کم سے کم مقدار میں استعمال کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاط برتیں تاکہ چیزیں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اسی فکر نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد "کم سے کم مقدار میں استعمال MICRO MINICTURIGATION کے تصور کو عام کیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ قلم کی نب کے سر جیسی چھوٹی چیز پہ تین ہزار سے زائد ریڈیو ایمپلی فائر ANPLIFIER بنائے جا رہے ہیں۔ یہ تو ہے فکرِ انسانی کے ذریعہ سامنے آنے والی چیز۔

اب ذرا ربّ کائنات کی تخلیق کا ایک نمونہ دیکھیں۔ چار اعضائے رئیسہ میں جگر بھی شمار کیا جاتا ہے، اس کا اوسط وزن ۱۶۷۵ کلو گرام کے برابر ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ جگر چھ سو کیمیاوی کارخانوں کا مجموعہ ہے جن میں سے ۴۸ تو روزانہ کام کرتے ہیں اور بقیہ ۵۵۲ حالتِ ایمرجنسی میں ضروری اجزاء فراہم کرتے ہیں۔

ایک کیمیاوی کارخانے کے لیے کیا کچھ چاہیے اس کا اندازہ کرنا ہو تو کسی ایک کیمیاوی کارخانے کو جا کر دیکھ لیں اور پھر تصور کریں کہ ایسے چھ سو کارخانوں کا ایک جگہ پہ یک جا کیا جانا کیا کچھ طلب کرتا ہے۔ انسانی جگر جیسی چھوٹی سی چیز میں چھ سو کارخانوں کا جاری و ساری ہونا ہی دراصل MICRO-MINITURIGATION کا کمال ہے اور یہ عمل انسانی دماغ کی ساخت اور اس کے فعل میں بامِ عروج کو جا پہنچتا ہے۔

اللہ اکبر کے تقاضے | درج بالا چند مثالوں سے اللہ کتنا بڑا ہے، کی ایک

خفیف سی جھلک سامنے آتی ہے لیکن یہ شعور کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے، انتہائی قیمتی متاع ہے۔ یہی شعور جتنا راسخ ہو گا اتنا ہی زیادہ یقین سے وہ مالا مال ہو گا یہی وجہ ہے کہ "اللہ اکبر" اسلام کے شعار میں شامل ہے۔ اس شعور کو حرزِ جاں بنانے کے لیے اور غفلت سے تحفظ کے لیے ۲۴ گھنٹے کی پنج گانہ نماز میں اللہ اکبر کا ۱۴۴ مرتبہ ورد کرنے کی تاکید کی گئی۔ یوں تو آج بھی ہر جگہ یہ صدا سنائی دیتی ہے لیکن اپنی رُوح سے خالی ہے۔

دراصل انسان اس کائنات میں اپنی حیثیت کو بھول گیا ہے۔ اللہ اکبر کی عظیم آواز اسی لیے بار بار دہرائی جاتی ہے تاکہ انسان اپنے بھولے ہوئے مقام کی طرف پلٹ آئے۔

رسائل و مسائل

سرکاری خرچ پر حج

سوال:- ۱- اللہ تعالیٰ نے جن مسلمانوں پر "حج" فرض نہیں کیا۔ کیا حکومتِ پاکستان جو قرض میں جکڑی ہوئی ہے۔ اپنے اخراجات پر ایسے افراد کو حج پر بھیج سکتی ہے؟ اور حج کا ثواب کسے ملے گا۔

۲- کسی فرد یا ادارہ کو لوگوں سے زکوٰۃ، خیرات اور صدقات لے کر سرمایہ بنانے کی اجازت ہے۔ اور پھر وہ سرمایہ سودی کاروبار پہ لگا کر مزید سرمایہ جمع کرے۔

جواب: ۱-

۱- ایک مسلمان فرد، ادارہ یا ملک عیاشی اور سہولتوں کے لیے قرض نہیں لیتا کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ لیکن پاکستان سمیت جملہ اسلامی ممالک جن قرضوں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ اسی قسم کے قرضے ہیں۔ صنعتی، زرعی اور رفاہی کاموں کے لیے قرض لینا اور پھر اس پر سود ادا کرنا اور اس سلسلہ کو مسلسل جاری رکھنا، بلکہ ان قرضوں کے حصول کی خاطر اپنی ملکی پالیسیاں قرض دہندگان کی منشا کے مطابق ترتیب دینا کسی بھی درجہ میں شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ ایسے قرضے لینا اور ان پر سود دینا دونوں ہی ناجائز ہیں۔ ایسی صورت میں سوال یہ ہونا چاہیے کہ بیرونی قرضوں سے سڑکیں اور پل بنانا، جہاز خریدنا، تعلیمی اور انتظامی منصوبے بنا کر ان پر اربوں روپے خرچ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اور ان قرضوں کی ادائیگی کی راہ میں جو اخراجات رکاوٹ

ہیں وہ اخراجات کرنا جائز ہیں یا نہیں ؟ لیکن کوئی بھی یہ سوال نہیں اُٹھاتا کہ کام و دہن اور جسم و جان کی ان لذّتوں پر جو اخراجات ہو رہے ہیں، ان کی شرعی حیثیت کیا ہے اور وہ جائز ہیں کہ ناجائز، اور کبھی اس کی بات کی جاتی ہے تو آگے سے یہ جواب ملتا ہے کہ دورِ حاضر میں ان چیزوں کے بغیر گذارا ممکن نہیں ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی سڑکوں کو ویران، نہروں کو خشک اور زمینوں کو بنجر کر دیں اور زندگی کی گاڑی کو جام کر دیں لیکن اگر چند افراد کے دینی جذبے کی تسکین کا سامان ہو جاتا ہے تو اس کے بارے میں سوال اُٹھا لیا جاتا ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اگر ایک انسان قرض کی کار میں قرض سے بنی ہوئی سڑک پر قرض سے بنے ہوئے دفتر میں قرضے سے حاصل کردہ کرسی اور میز پر جا کر بیٹھتا ہے تو اس کے متعلق یہ سوال کرنا کہ لیسے ہزاروں افراد میں سے چند افراد جو مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز وں کا کیا حکم ہے کوئی معقول سوال نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ انواع و اقسام کے کھانے جو قرض لے کر لگائے گئے ہوں ان کے متعلق تو بات نہ کی جائے کہ ان کی کیا حیثیت ہے لیکن ان میں جو نمک اور مرچ ڈالے گئے ہیں اُن کے متعلق کہا جائے کہ ان کی کیا حیثیت ہے۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے قرض لینا بذاتِ خود حماقت ہے اور پھر اگر ان سے نجات حاصل کرنا مطلوب ہو تو ایسے تمام اخراجات ختم کرنا ہوں گے جو ان کی ادائیگی میں رکاوٹ ہیں۔ جہاں تک چند افراد کو حج پر بھیجنے کا تعلق ہے میرے خیال میں یہ کوئی ایسا خرچ نہیں ہے جو قرضوں کی ادائیگی میں کسی بھی درجہ میں رکاوٹ بنتا ہو اس لیے یہ جائز ہے۔

جہاں تک ثواب کا تعلق ہے تو حدیث شریف کے مطابق ثواب صاحبِ مال کو ملے گا، دینے والے کو اور حج کرنے والے کو ملے گا ــــــــــــ

ــــــ مال چونکہ قوم کا ہے اس لیے مال کا ثواب قوم کو، دینے کا کام حکومت کرتی ہے لہٰذا دینے کا ثواب اسے ملے گا۔ اور حج اس کا ہو گا جس نے حج کیا ہے اور حج کا ثواب بھی اسی کو ملے گا۔

۲ــ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال کسی فرد کو دیا گیا ہو تو وہ اُسے کاروبار میں لگا کر بڑھا سکتا ہے تاکہ زکوٰۃ لینے کی بجائے دینے والا بنے اور کسی ادارے کو دیا گیا ہے تو وہ اسے مصارفِ زکاۃ میں خرچ کرے گا۔ یہ بھی کر سکتا ہے کہ وہ اسے کاروبار میں لگا دے اور منافع زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کرے اور اصل کو محفوظ رکھے۔ البتہ سودی کاروبار میں لگانا ناجائز ہے۔ اِسی طرح اُسے مصارفِ زکاۃ کے بجائے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا بھی ناجائز ہے۔

(مولانا عبدالمالک ــ شعبۂ استفسارات)

مطبوعات

مولانا مودودیؒ کی ادبی خدمات تصنیف: پروفیسر عبدالمغنی - ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی (بھارت) - قیمت: ۶/۰ روپے

جماعتِ اسلامی کے بانی اور ممتاز عالمِ دین کی حیثیت سے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ پاکستان سے باہر بھی بہت معروف ہیں - ان کی بہت سی کتابیں غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں - اور بہت توجہ سے پڑھی جاتی ہیں، اس مقبولیت کی ایک وجہ تو بالیقین یہی ہے کہ انہوں نے اُصولِ اسلام کی تشریح و توضیح مجتہدانہ شان سے کی ہے، لیکن میرے نزدیک اتنی ہی وزن کی دوسری وجہ ان کتابوں کی بہت نمایاں ادبی حیثیت ہے موجودہ دَور کے اُن مصنفین میں جنہوں نے دینی موضوعات پر قلم اُٹھایا، مولانا مودودیؒ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ ان کے مقابلے میں کسی کو بھی نہیں لایا جا سکتا۔

اس کتاب کے مصنف پروفیسر عبدالمغنی صاحب نے مولانا محترم کی اسی حیثیت پر بحث کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اُردو نثر اور اس زبان کے بہت معروف نثر نگاروں کی پوری تاریخ کھنگال ڈالی ہے - کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جہاں سیّد مودودیؒ کی ادبی عظمت اور شوکت نمایاں ہوتی ہے، وہاں اُردو نثر کے مرحلہ وار ارتقائی سفر کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جو کئی صدیوں میں طے ہوا۔

پروفیسر عبدالمغنی صاحب نے ایک قابلِ قدر کام یہ کیا ہے کہ سیّد مودودیؒ کی کتابوں کے اقتباسات کے ساتھ سرسیّد، غالب، حالی، محمد حسین آزاد، شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں کے نمونے بھی شامل کیے ہیں - میرے نزدیک پروفیسر صاحب کا یہ نہایت قیمتی تحقیقی

کام ہے، میں ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ جو حضرات تحریکِ اسلامی سے وابستہ نہیں ہیں وہ بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کتاب پاکستان میں دست یاب ہے یا نہیں، اگر ایسا انتظام نہ ہو تو ادارہ معارفِ اسلامی اور اسلامی پبلشرز لاہور کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ بھارت میں شائع ہونے والی عمدہ کتابیں پاکستان میں خریدی جاسکیں۔ (نظر زیدی)

یہ ترکی ہے | تصنیف: حکیم محمد سعید صاحب۔ ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی۔ قیمت: دس روپے

اس خوب صورت کتاب میں محترم حکیم محمد سعید صاحب نے اپنے سفرِ ترکی کے کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب بچوں کے لیے ہے اور بہت مفید اور بہت خوب صورت ہے۔ اس کے مطالعہ سے قاری برادر اسلامی ملک ترکی کے بارے میں قریب قریب سب ضروری باتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسلوبِ نگارش آسان اور دلکش ہے اور بعض حصے تو اس قدر پیارے ہیں کہ دل میں سرور پیدا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۴۴ کی یہ عبارت دیکھیے:

"جب ہم مسجد میں پہنچے تو ظہر کا وقت تھا۔ ہم فوراً وضو کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔ مسجد کے امام ایک بہت بوڑھے آدمی تھے۔ انہوں نے ترکی کے آخری سلطان کا زمانہ بھی دیکھا تھا اور جمہوری انقلاب کا بھی۔ میں نے دیکھا کہ مسجد کے ایک حصے میں کچھ بچے بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ایک بچہ پانچواں پارہ پڑھ رہا تھا۔ جہاں وہ تھا وہاں سے میں نے بغیر دیکھے آگے پڑھنا شروع کر دیا۔ آخر حافظِ قرآن ہوں۔ بچہ اپنا پڑھنا بھول کر مجھے دیکھنے لگا۔ دوسرے سیّاح بھی حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ نہ جانے انہیں کیوں یقین نہیں آرہا تھا کہ میں بھی قرآن پڑھ سکتا ہوں۔ میں نے چار پانچ رکوع پڑھ ڈالے۔"

کتاب میں ایسے مقامات اور بھی بہت ہیں اور ان سے گزرتے ہوئے ترکی کے ساتھ اسلام کی عظمت دل میں جاگزیں ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس کتاب میں اگر کوئی بات توجہ دلانے کے قابل ہے تو وہ چند جملے ہیں اور وہ بھی اس لیے کہ مصنف حکیم محمد سعید ہیں۔

ص ۲۱، سطر ۸ ــ "لوگوں کے جوتے بھی پڑے ملتے"۔ "جوتے بھی رکھے ہوتے" ہونا چاہیے۔ ص ۲۵، سطر ۱۲ "فوراً اپنی تجربے گاہ"۔ یہاں لفظ "تجربہ" ہونا چاہیے۔ ص ۳۹، سطر ۱۴ "سلطان سلیمان کی مسجد ہے"۔ یہاں سلطان سلیمان چاہیے۔ ص ۵۷ سطر ۲۲۔ کراچی کی جونا مارکیٹ ۔ کراچی کی جونا مارکیٹ ہونا چاہیے۔ ص ۵۸، سطر ۱۰ بے وقت کی "ادلہ باری" سے محفوظ رہے۔ بے وقت کی "ژالہ باری" ہونا چاہیے۔ کتاب کی نظر ثانی کر لی جائے تاکہ اگلے ایڈیشن میں غلطیاں نہ رہیں۔ (سید نظر زیدی)

ہمارا سفر (حصہ اوّل) مرتبہ: کارکنانِ اسلامی جمعیت طالبات۔ ناشر: الجمعیۃ پبلیکیشنز مرکز طالبات، منصورہ، لاہور۔ قیمت: درج نہیں۔ صفحات: ۱۸۸

یہ کتاب اسلامی جمعیت طالبات کے سنِ تاسیس ۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۰ء تک کے اُن احوال و کوائف پر مشتمل ہے جو مسلم طالبات پاکستان کی اس تنظیم کے عالمِ وجود میں آنے کا باعث بنے اور پھر اسے ایک بہت وسیع تحریک بنانے کی جدوجہد میں پیش آئے۔ پیش لفظ محترم میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعتِ اسلامی پاکستان نے تحریر فرمایا ہے۔

ہمارے موجودہ زمانے میں جب طلباء کی تنظیموں کو دہشت گردی کی علامت سمجھا جانے لگا ہے اور مبینہ طور پر ان کی وجہ سے تعلیم گاہوں کا ماحول بہت خراب ہو گیا ہے۔ اسلامی جمعیت طلبا کے بارے میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات جنم لے رہے ہیں، بلکہ بعض حلقے تو تعلیمی ماحول کی اس ابتری کا الزام جمعیت کے سر ہی دھرتے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور وہ کسی مبالغے کے بغیر یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام سے جو وابستگی نظر آتی ہے اور تہذیب و شرافت کے جو بچے کھچے آثار دکھائی دیتے ہیں بڑی حد تک اسلامی

جمعیت طلبا کے قیام ہی کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ جمعیت قائم نہ ہوتی تو گزشتہ چالیس بیالیس برسوں ہی میں مغربی تہذیب کی ساری نحوستیں ہمارا مقدر بن جاتیں۔

اب اسلامی جمعیت طالبات حلقہ طالبات میں زیادہ سرگرمی سے کام کرنے اٹھی ہیں۔ اس کتاب میں ان کی نو سالہ جدوجہد کا حال شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ ملک کے مخلوط تعلیمی نظام نے پاکستانی عورت کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے وہ ہرگز قابلِ اطمینان نہیں۔ بے حجابی اور عادات و اطوار میں وہ کافر عورتوں سے بھی دو قدم آگے نظر آ رہی ہیں۔ اور یہ بات ہمارے مستقبل کو تاریک بنا دینے والی ہے۔ اگر ہمیں ایک باعزت غیور اور مسلم قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو آخری چارہ کار یہی ہے کہ اسلام سے بہر حال وابستہ رہیں اور اسلامی جمعیت طالبات یہی کوشش کر رہی ہے۔

(سید نظر زیدی)

برہمن کا بھیانک چہرہ	مصنف: ڈاکٹر چیٹرجی (بھارتی)۔ مترجم: پروفیسر آسی ضیائی

ناشر: مکتبہ فلاحِ انسانیت، اُردو بازار، لاہور۔ پتہ: ادارۂ علم و ادب پاکستان۔ ۲۹۔ غازی علم دین شہید روڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۲۔ رنگین ٹائیٹل قیمت درج نہیں۔

بھارت کا ہندو معاشرہ صدیوں سے ذات پات کی تقسیم کا اسیر ہے اور ہندو کی اس تاریک خیالی نے لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کو زندگی کے جائز حقوق سے محروم کیا اور بہت دُکھ دیئے ہیں۔ توقع کی جاتی تھی کہ علومِ جدیدہ ہندو کو اس پستی سے اُبھار لیں گے اور انسان برادری کا معزز رکن بنا دیں گے؛ لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ آزادی حاصل کرنے کے بعد تو اس کا کردار تو کچھ اور بھیانک ہو گیا ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں کا جو قتلِ عام جاری ہے وہ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

اس کتابچے میں اسی بھیانک ذہن کو بے نقاب کیا گیا ہے اور اس کے مندرجات معتبر اس لیے ہیں کہ یہ ایک دانشور ہندو ڈاکٹر چیٹرجی ایم اے پی ایچ۔ ڈی کی تصنیف

ہے۔ انہوں نے " جاگ ہندو جاگ " کے نام سے یہ کتابچہ انگریزی میں لکھا تھا اور پروفیسر آسی ضیائی صاحب نے اسے اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ فاضل مصنف اور محترم مترجم نے یہ ایک بہت مفید کام کیا ہے۔ اس کتابچے کے مطالعے سے اس ذہن کے تمام تاریک گوشے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ آج کا ہندو بھارت اپنی تمام توانائیاں سمیٹ کر اور بھیانک عزائم منظم کر کے پاکستان کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی حماقت کل اس خطّے کو کن حالات سے دوچار کر دے گی۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ سیکولرازم کے نقاب میں چھپا ہوا بھارت کا اصل چہرہ دیکھا جائے، بلکہ خود بھارت کے باسیوں کو بھی آئینہ دکھایا جائے اور ڈاکٹر چیٹرجی نے یہ کام بہت قابلیت سے کیا ہے۔

(سیّد نظر زیدی)

بعثتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) | مؤلف: جناب وسیم ڈار۔ ناشر: اساس پبلشرز، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۵۸۰ کراچی ۴۸۰۰۔ قیمت: درج نہیں۔

اس کتابچہ میں مؤلف نے پارسیوں، بدھوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں کی مقدس کتابوں کی وہ عبارتیں درج کی ہیں، جن میں رحمتِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ مؤلف مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک نہایت مفید کام کیا ہے۔ اس مطالعے سے معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہے۔

(سیّد نظر زیدی)

مسئلہ شفاعت | مؤلف: محمد نصیر قریشی الفاروقی۔ ناشر: نصیر و اولادہ، مکان ۹/۱ گلی نمبر ۲۴ ۔ مسعود پارک، نئی آبادی ڈھولن وال، لاہور ۱۸۔ صفحات: ۱۴۴ قیمت درج نہیں۔

اس کتابچے میں عقیدۂ شفاعت کو کسی گروہی تعصب کے بغیر تفصیل سے بیان کیا

گیا ہے۔ کتاب و سنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں اس مسئلے پر نہایت معتدل اور صحیح حوالوں کے ساتھ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بعض لوگوں میں ایک ایسا تصورِ شفاعت رائج ہے جو آدمی کو گناہوں پر جری کر دیتا ہے۔ مگر یہ پمفلٹ اِس تصور کی پرچھائیں سے محفوظ ہے۔

(محمد رفیق چودھری)

نظریۂ پاکستان اور مولانا آزادؒ مرتب: مختار الحسینی۔ ناشر: بساط ادب، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور ۲۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۲۵/ روپے

یہ کتابچہ جو اس سے پہلے "اسلامی جمہوریت کے تقاضے" کے عنوان سے چھپا تھا، اپنے مندرجات کے لحاظ سے اس عنوانِ جدید کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جنوبی ایشیا میں مولانا آزاد مرحوم سے بڑھ کر نظریہ پاکستان کا کوئی اور مخالف نہ تھا۔ پھر ان کی یہ ساری تحریر اُس زمانے کی ہے جب تحریک پاکستان شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اس میں پاکستان کا لفظ استعمال تک نہیں ہوا۔ البتہ خلافت و جمہوریت پر یہ بڑا وقیع علمی مضمون ہے۔ محض اختلافات کی وجہ سے علمی استفادہ کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہیے۔

(محمد رفیق چودھری)

ضروری اطلاع

براہِ کرم ماہنامہ "ترجمان القرآن" کا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ کی صورت میں ارسال فرمائیں۔ چیک روانہ فرمانے کی زحمت نہ کریں۔ نوازش ہوگی۔

مینجر
ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

منشوراتِ اسلامی

کی فکر انگیز مطبوعات

○ فی ظلال القرآن —— سیّد قطبؒ شہید ترجمہ: سیّد معروف شاہ شیرازی

● فی ظلال القرآن پارہ اوّل -/۹۰ روپے

○ فی ظلال القرآن 〃 دوم -/۹۰ 〃

● فی ظلال القرآن 〃 سوم زیرِ طبع

○ فی ظلال القرآن 〃 چہارم 〃 〃

● سیرت القرآن حصہ اوّل سیّد معروف شاہ شیرازی -/۳۹ روپے

○ سیرت القرآن، حصہ دوم۔ قرآن، سیرت اور انقلاب۔ 〃 〃 〃 -/۶۰ 〃

● اسلامی انقلاب کا منہاج 〃 〃 〃 -/۲۷ 〃

○ اسلام اور جمہوریت، ججوں اور جرنیلوں کے زیرِ سایہ 〃 〃 〃 -/۳۳ 〃

● نشاناتِ راہ سیّد قطبؒ شہید ترجمہ: سیّد معروف شاہ شیرازی -/۳۹ 〃

○ حسن البنّا شہید کی یادداشتیں 〃 〃 〃 -/۳۳ 〃

● THE SHAPE OF BASIC ORGAN IN ISLAMIC STATE -/۵۰ 〃

ملنے کا پتہ:

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اُردو بازار، لاہور

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE

جاری کردہ: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رودادِ اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسۂ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد، امیر جماعت اسلامی

- رپورٹ جماعتِ اسلامی پاکستان، ۸۳ء-۸۹ء (قافلۂ حق کی چھ سالہ رودادِ سفر)
- اعلامیہ

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

دیگر تقاریر

- دروسِ قرآن وحدیث
- انقلابی کردار: ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت: رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ
- پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان — اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

مُقرّرین

میاں طفیل محمّد ○ مولانا جان محمد عباسی ○ پروفیسر غفور احمد
چوہدری رحمت الٰہی ● پروفیسر خورشید احمد ● خرّم مُراد
نعیم صدّیقی ○ مولانا خلیل احمد حامدی ○ مولانا گوہر رحمٰن
مولانا فتح محمد ● حافظ محمد ادریس ● لیاقت بلوچ
سیّد منوّر حسن ○ ایوّب ٹھاکر ○ ڈاکٹر صیام

- ٹائیٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، -/۳۰ روپے
- لائبریری ایڈیشن، -/۴۵ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اُردو بازار، لاہور
فون: ۶۸۶۳۶-۳۲۴۴۶۸ : پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳